تاریخ اندور

یعنی

نامور فرماں روایان خاندانِ ہلکر کے کارنامے، شہنشاہ اورنگ زیب
کے آخری زمانہ سے سنہ ۱۹۲۴ء تک

از

"خافی خاں"

باہتمام
اسحاق علی علوی مالک و پرنٹر
در الناظر پریس لکھنؤ طبع یافت

بار اول. اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء قیمت ۱۱؍

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردو کی بہترین کتابیں

[illegible]

مرزا غالب مرحوم

- اردوی معلی ۔ عہ
- عودِ ہندی ۔ ۱۲
- دیوان غالب حبیبی ۔ ے
- مکمل دیوان غالب ۔ صہ

سرسید مرحوم

- خطبات احمدیہ ۔ ے
- آثار الصنادید ۔ للعہ
- مکمل مجموعہ لکچر ۔ للعہ
- اسباب بغاوت ہند ۔ ۸
- سیرت فریدیہ ۔ ۱۰

نواب محسن الملک مرحوم

- مضامین تہذیب الاخلاق ۔ للعہ
- مکمل مجموعہ لکچر ۔ للعہ
- تقلید و عمل بالحدیث ۔ ۱۲
- کتاب المحبت و الشوق ۔ ۱۰
- مکاتیب ۔ عہ
- آیات بینات ۲ حصہ ۔ سعہ

خلیفہ محمد حسین مرحوم

- انجاز التنزیل ۔ للعہ
- سفرنامہ سونیرا جلد ۔ للعہ

مولانا آزاد مرحوم

- آب حیات ۔ ے
- دربار اکبری ۔ صہ
- سخندان فارس ۔ سعہ
- نگارستان فارس ۔ سہ
- نیرنگ خیال ۔ عہ
- سیر ایران ۔ عہ
- ڈراما اکبر ۔ عہ
- مجموعہ مکتوبات آزاد ۔ عہ
- مجموعہ نظم آزاد ۔ ۱۲
- نصیحت کا کرنپھول ۔ ۸
- جانورستان ۔ ۱۰
- بیاض آزاد ۔ عہ
- تذکرہ علماء ۔ ۵
- لغت آزاد ۔ عہ
- دیوان ذوق مرتبہ آزاد ۔ ع

پروفیسر شہباز مرحوم

- زندگانی بےنظیر ۔ عہ
- خیالات شہباز ۔ عہ

مولوی سید ممتاز علی

- تذکرۃ الانبیا ۔ عہ
- شیخ حسن ۔ ۸

مولانا نذیر احمد مرحوم

- حمائل شریف مترجم ۔ عہ
- الحقوق و الفرائض ۔ ے
- مرآۃ العروس ۔ ۱۰
- بنات النعش ۔ ۹
- توبۃ النصوح ۔ ۹
- موعظہ حسنہ ۔ عہ
- رویای صادقہ ۔ عہ
- ایامیٰ ۔ عہ
- فسانۂ مبتلا ۔ عہ
- ابن الوقت ۔ عہ
- مصائب غدر ۔ ۱۰
- مجموعہ نظم بےنظیر ۔ عہ
- مکمل مجموعہ لکچر ۔ عہ
- منتخب الحکایات ۔ ۶
- چند پند ۔ ۶
- مبادی الحکمۃ ۔ عہ

مولانا شرر مرحوم

- حیات انیس ۔ ع
- ایشیائی شاعری ۔ عہ
- نورجہاں بیگم ۔ ۸
- ٹیپو سلطان ۔ عہ
- حیدر علی سلطان ۔ عہ

مولانا حالی مرحوم

- یادگار غالب ۔ ے
- حیات سعدی ۔ عہ
- حیات جاوید ۔ للعہ
- مقدمہ شعر و شاعری ۔ عہ
- دیوان حالی ۔ عہ
- مسدس حالی ۔ عہ و ۸
- مجموعہ نظم حالی ۔ عہ
- بیوہ کی مناجات ۔ ۲
- شکوۂ ہند ۔ ۲

مولوی بشیر الدین احمد

- واقعات دارالحکومت دہلی ۔ عہ
- تاریخ بیجاپور ۔ عہ
- حرز طفلان ۔ عہ
- نشاط عمر ۔ عہ
- عصای پیری ۔ عہ
- لخت جگر ۔ عہ
- حسن معاشرت ۔ عہ
- اصلاح معیشت ۔ عہ
- اقبال دولہن ۔ عہ
- شمع ہدایت ۔ عہ
- انشائے بشیر ۔ عہ
- دیوان بشیر ۔ عہ

مولانا شبلی مرحوم

- سیرۃ النبی جلد اول ۔ عہ و صہ
- ″ جلد دوم ۔ عہ و للعہ
- ″ جلد سوم ۔ عہ و عہ
- الفاروق ۔ ع
- سیرۃ النعمان ۔ عہ
- الغزالی ۔ عہ
- المامون ۔ عہ
- سوانح مولانا روم ۔ عہ
- سفرنامہ مصر و روم و شام ۔ ع
- علم الکلام ۔ ع
- الکلام ۔ ع
- رسائل شبلی ۔ عہ
- مقالات شبلی ۔ ۱۲
- شعر العجم جلد اول ۔ ے
- ″ جلد دوم ۔ ع
- ″ جلد سوم ۔ ع
- ″ جلد چہارم ۔ ے
- ″ جلد پنجم ۔ ع
- موازنۂ انیس و دبیر ۔ ے
- مضامین عالمگیر ۔ عہ
- آغاز اسلام ۔ ۸
- مجموعہ کلام شبلی اردو ۔ ۱۰
- کلیات شبلی فارسی ۔ ع

مولانا ذکاء اللہ مرحوم

- تاریخ ہندوستان ۱۰ جلد ۔ عہ
- تاریخ عہد سلطنت انگلشیہ ۔ [illegible]
- آئین قیصری ۔ عہ
- کرزن نامہ ۔ ع
- صحیفۂ فطرت ۔ ۸
- تعلیم الانتظام ۔ عہ
- محاربات عظیم ۔ ۱
- جغرافیہ ریاضیہ ۔ ۱۲
- جغرافیہ طبعی ۔ ۸
- اہل عرب کا جبر و مقابلہ ۔ ۶
- رسالہ علم تناسب ۔ ۲
- مبادی الحساب ۔ ۱۲
- مساحت ۔ ۱۲

سید محمود مرحوم

- کتاب الاطلاق ۔ ع
- کتاب الشفعہ ۔ ع
- لکچر ۔ ۱۲
- شرح قانون شہادت ۔ [illegible]

مولوی سید احمد انصاری

- الدینیۃ و الاسلام ۔ ع
- تحریر المرأۃ ۔ عہ

ملنے کا پتہ ۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

گزارش

اس کتاب کے ابتدائی چھ باب (صفحہ ۱ لغایتہ ۸۰)
رسالہ الناظر میں جنوری سے جون سنہ ۱۹۲۵ء تک شایع ہوے
تھے اور بہت پسند کیے گئے۔ اب آخری اوراق کے اضافہ
کے بعد پوری کتاب عام شائقین تاریخ کے ملاحظہ میں پیش کیجاتی ہے
چونکہ کسی خاص مصلحت سے جناب مؤلف اپنا نامِ نامی ظاہر
کرنا پسند نہیں فرماتے، اسلیے سرورق پر وہی اسم فرضی قائم
رکھا گیا ہے جو الناظر میں درج ہوتا رہا۔

اسحاق علی علوی مالک و مہتمم الناظر پریس لکھنؤ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملہر راؤ ہولکر

مالوہ کی فتح - پانی پت کی لڑائی

مہاراشٹر[1] کے مختلف النسل[2] باشندوں کو ایک مضبوط قوم بنا کر مرہٹوں کی سلطنت کا بنیادی پتھر رکھنے والا اقبالمند سیوا جی چودہ سال ہوئے کہ دنیا سے رخصت ہو گیا - شاہنشاہ اورنگ زیب، بیجا پور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کی قطب شاہی ریاستوں کا سات برس[3] ہوئے کہ خاتمہ کر چکا - شہنشاہ کا صوبہ دار[4] بنگالہ انگریزوں کی تجارتی کمپنی کو سخت گوشمالی دے چکا - فرانسیسیوں نے پانڈیچری اور چندر نگر میں قدم جمائے تھے مگر اس وقت انکا ستارہ زوال

سلہ مہاراشٹر ہندوستان کے جنوب مغرب میں اس ٹکڑے کا نام ہے جسکے مغرب میں سمندر، جنوب میں دریائے کرشنا، مشرق میں بین گنگا اور شمال میں نربدا ہے - یہ علاقہ پہلے سلاطین بہمنی کی حکومت میں شامل تھا لیکن پندرھویں صدی سے اس علاقہ کا بیشتر حصہ پرتگال والوں کے تصرف میں آگیا تھا جسکی یادگار ابھی تک شہر "گووا" پر اس قوم کا قبضہ برقرار قائم ہونے سے باقی ہے - بیجا پور کے بادشاہوں نے اس ملک کے باشندوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا - اور شاہجہاں کے وقت میں ایک سردار ساہو جی بھوسلا بیجا پور کی حکومت میں دخیل تھا اور اس نے بادشاہ دہلی کو کچھ مدد بھی دی تھی - اسی ساہو جی کا فرزند نامور سیوا جی تھا جو ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا اور بیجا پور و دہلی کی حکومت سے آزاد ہو کر اس ملک کا خود مختار حاکم بنا - ۶ - جون ۱۶۷۴ء کو اسکے راج تلک کی رسم ادا ہوئی اور ۵ - اپریل ۱۶۸۰ء کو فوت ہوا - ۱۲

سلہ اس ملک کے برہمن، راجپوت، کُرمی، اور شکر جاتی سب ہی مرہٹہ سکے جاتے تھے -

سلہ عادل شاہی ۱۶۸۶ء میں اور قطب شاہی ۱۶۸۷ء میں ختم ہوئی - ۱۲ -

سلہ شائستہ خاں نے ۱۶۹۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے بھاری تاوان وصول کیا - (امپیریل گزیٹیر جلد ۲ صفحہ ۴۶۰)

پر ہے اور ڈچ قوم کے سوداگر پانڈیچری پر قابض ہیں۔

پورتگال کی ایشیائی حکومت کا عروج ختم ہوگیا۔ ساحل ملابار پر اُسکے بیشتر مقبوضات ہالینڈ والوں کے تصرف میں ہیں اور دارالحکومت "گووا" کے دروازہ تک مرہٹوں اور مغلوں کا خوف ہر شخص پر چھایا ہوا ہے۔

اولوالعزم سیواجی کا کمزور جانشین سمبھاجی شراب کے نشہ میں چور گرفتار ہوا اور پانچ برس ہوئے کہ قتل ہو چکا۔ اُسکا بھائی راجہ رام اپنے شیرخوار بھتیجے ساہوجی کی طرف سے سلطنت کا حاکم بنا، لیکن چند ہی مہینے کے بعد اپنے معصوم برادرزادہ اور دارالسلطنت رائے گڈھ کو دشمنوں کے قبضہ میں چھوڑ کر کرناٹک کی طرف فرار ہوگیا اور اسوقت جنجی کے قلعہ میں پناہگزیں ہے۔ مرہٹے مغلوں کے لشکر کو ستاتے اور اُنکے صوبوں پر چھاپے مارتے رہتے ہیں لیکن انکی واقعی حکومت صرف چند قلعوں اور پہاڑی علاقوں تک محدود ہے اور اُسکا انتظام رامچندر نیلکنٹھ کے سپرد ہے جو "حکومت پناہ" کے لقب سے راج کا کاروبار سنبھالے ہے، اور موقع سے اپنے بھاگے ہوئے راجہ کو بھی مدد بھیجتا رہتا ہے۔ راجپوتانہ عالمگیر کے دبدبہ سے خاموش ہے۔ شمالی ہندوستان میں امن ہے اور ہمالیہ کی ترائی سے تنجور تک کُل جزیرہ نمائے ہند شہنشاہ کی عظمت کے آگے سر تسلیم جھکائے ہوئے ہے۔

اسوقت کون کہہ سکتا تھا کہ چند سال کے اندر اس عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے پارچے ہو جائیں گے اور یک بیک ایسی ہوا پلٹیگی کہ ایک صدی سے پیشتر شاہجہاں اور عالمگیر کا بدقسمت جانشین آنکھیں کھو کر سیواجی کے غلاموں کا پنشن خوار بنے گا!! مگر ازل کے رجسٹروں میں یہی اندراج تھا اور قضا و قدر کے دفتر سے مغلوں کی تباہی کا فرمان صادر ہو چکا تھا، اسلیے غیب سے قدرتِ خداوندی ظاہر ہونے کے سامان جمع ہونے لگے!!

اکتوبر ۱۶۹۴ء میں پونا سے چالیس میل کے فاصلہ پر نیرا ندی کے کنارے ایک غیر مشہور گاؤں "ہُل" نام میں ایک معمولی کاشتکار کے گھر بچہ پیدا ہوا۔ جسکی پیشانی پر خطِ تقدیر سے لکھا تھا کہ یہ فرزند خاندان تیمور کا غرور توڑنے اور مرہٹوں کی حکومت کو عروج دینے میں نمایاں حصہ لیگا۔ اس خوش قسمت کاشتکار کا نام کھنڈوجی تھا۔ اسکے آبا و اجداد کسی زمانہ میں متھرا کے قریب بھیڑ بکری چراتے تھے۔ اور وہاں سے اُجڑ کر پہلے چتوڑ کے قریب میواڑ میں بسے۔ پھر تبدیلِ سکونت کرکے دکن آئے جہاں

وہ اسوقت[1] "بل" میں آباد تھے۔ اور وہ دن قریب تھا کہ ایسا اقبالمند کے طفیل سے یہ گاؤں ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے یادگار ہو جائے!!"

یہ ہونہار لڑکا چار ہی پانچ برس کا تھا کہ اسکا باپ مر گیا۔ رشتہ داروں نے بیوہ سے جھگڑا کیا، اور مصیبت زدہ ماں اپنے یتیم بچہ کو لیکر بھائی[2] کے گھر چلی گئی۔ ماموں نے اپنے بیکس بھانجے کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا، اور بیوہ بہن کا بوجھ اُٹھانے پر تیار ہو گیا۔ اسکے پاس سردار کدم بندی[3] کی طرف سے کچھ جاگیر تھی، جسکے عوض میں اُسکو پچیس سوار مرہٹوں کی امداد کے لیے تیار رکھنا پڑتے تھے۔ لیکن بھانجا ابھی بہت کم عمر تھا اور کسی فوجی خدمت کے قابل نہ تھا۔ اس لیے خاندان کی بھیڑ بکری چرانے کی خدمت اس کے حوالہ کی گئی۔

یہ یتیم بچہ جسکا نام ملہر راؤ تھا۔ کئی سال تک اسی خدمت پر مامور رہا۔ صبح کو بھیڑوں کا گلہ لیکر جنگل کی طرف نکل جاتا۔ دن بھر مویشیوں کی نگہبانی کرتا اور شام کو گھر واپس آتا تھا۔ ایک دن بستی سے دُور کھیت کی مینڈ پر سر رکھے سوتا تھا کہ ایک سانپ اُسکے قریب آیا اور اپنا پھن اُٹھا کر لڑکے کے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اتفاق سے گاؤں کے کچھ آدمی اُسطرف آگئے اور اُنھوں نے یہ تماشا دیکھ لیا کہ سانپ سر کے پاس کھڑا ہے مگر بچہ پر چوٹ نہیں کرتا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ لڑکے کے چہرہ کو آفتاب کی شعاعوں سے بچائے ہوئے ہے۔ آدمیوں کی آہٹ پاکر سانپ بھاگ گیا اور ملہر راؤ بھی جاگ پڑا۔ مگر یہ قصہ دیہات میں مشہور ہو گیا۔ لوگوں نے ماموں کو یتیم بھانجے سے بے خبری کا طعنہ دیا، اور سانپ کے حملہ سے محفوظ رہنا لڑکے کی خوش نصیبی کا نشان بتایا۔ لڑکا گلہ بانی کی خدمت سے ہٹا لیا گیا اور اُسکو لڑائی کے ہنر سکھائے گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ گھوڑے کی سواری اور ہتھیاروں کے استعمال میں طاق ہو گیا۔ اور کدم بندی والے رسالہ میں بھرتی کر لیا گیا۔

---

[1] کھنڈی راؤ موضع بل کا مکھیا یا لکھیا کا نائب تھا - ۱۲

[2] بھائی کا نام بھوج راج برگل تھا۔ اور وہ خاندیس کے تلودہ گاؤں میں رہتا تھا۔ ۱۲

[3] کدم بندی کا خاندان کسی زمانہ میں بیجاپور کے بادشاہوں کی جانب سے "پٹیل" تھا۔ مگر بعد کو سیواجی کے ہمراہیوں میں ہو گیا تھا اور اب کافی حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۲

اب ملہر راؤ کو اپنی بہادری کے اظہار کا موقع ملا۔ اور چند ہی روز کے بعد وہ کدم بندی کے رسالہ میں ایک بڑا دلیر اور جری سپاہی سمجھا جانے لگا۔

اس عرصہ میں شہنشاہ اورنگ زیب کی وفات ہو چکی تھی اور دکن کا علاقہ سخت بدامنی کی حالت میں تھا۔ صوبہ دار دکن سے مرہٹوں کی روز لڑائی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ کدم بندی[1] کا رسالہ بھی میدان میں موجود تھا، اور اس موقع پر ملہر راؤ نے نظام الملک کے ایک سردار کو ایسی جرأت اور ہمت سے قتل کیا کہ مرہٹوں کے سردار کو اس نوجوان سپاہی کی تعریف کرنا پڑی۔ ماموں کا دل بھانجے کی تعریف سے باغ باغ ہوا اور اُس نے اپنی بیٹی گوتا بائی کی شادی اُسکے ساتھ کر دی۔ اس مبارک شادی نے ملہر راؤ کی بہادری دُور دُور مشہور کر دی اور مرہٹوں کے حاکم اعلیٰ کو رفتہ رفتہ اسکی شجاعت و دلیری کی خبر پہونچی۔

عالمگیر کے مرنے کے بعد سیواجی کا پوتا ساہوجی مغلوں کی قید سے چھوٹ کر آیا تھا اور بادشاہ دہلی کی اجازت سے "ستارہ" میں راج کرتا تھا۔ لیکن ریاست کا انتظام چند وزیروں کے سپرد تھا جن میں سے کانکن[2] کے علاقہ کا ایک برہمن بالاجی وشوناتھ نہایت لایق اور عقلمند تھا۔ اس برہمن نے "پیشوا" کا موروثی خطاب پاکر جنوب میں مرہٹوں کی دھاک بٹھا دی تھی اور بادشاہ گر سیدوں[3] سے میل کر کے (جنکی داستانیں تاریخ ہند میں مشہور ہیں) اپنے ہمقوموں کو ایکبار دہلی کی بھی ہوا کھلا لایا تھا اور حسن خدمات کے صلہ میں دکن میں سواراج قائم کرنے کا فرمان بھی اُسکو ملگیا تھا، بلکہ بادشاہ فرخ سیر قتل کیے وقت یہ دلی میں موجود تھا۔ رفیع الشان اور رفیع الدرجات کی چند روزہ سلطنتیں اسکے سامنے بنیں اور مٹیں۔ اور جب آخر کار دکن واپس آیا تو محمد شاہ کی مُہر بھی اُس فرمان پر تھی جسکے رُو سے ساہو جی دکن کا خود مختار حاکم تسلیم کیا گیا تھا۔

بالاجی "پیشوا" اکتوبر ۱۷۲۰ء میں مرگیا۔ اور اُسکا بیٹا باجی راؤ اول مرہٹوں کی سلطنت کا منتظم

---

[1] یہ جنگ غالباً ۱۷۱۶ء میں ہوئی تھی اور اس میں مرہٹوں نے سید حسین علی صوبہ دار دکن کو شکست دی تھی (گرانٹ ڈفت تاریخ مرہٹہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۲) اُس وقت ملہر راؤ کی عمر ۲۰ سال کی ہوگی۔

[2] کانکن۔ مہاراشٹر کے اُس حصہ کا نام ہے جو مغربی گھاٹ اور کوہستان اور سمندر کے درمیان واقع ہے۔

[3] سید حسین علی اور سید عبداللہ۔

تھا کہ اُسکو ملہار راؤ کی بہادری اور ہمت کی خبر ملی اور اُسنے اس بلند ہمت نوجوان کو پیشوا سے اپنی خدمت میں رکھنا چاہا۔ ملہار راؤ کی عمر اُسوقت ۲۶ سال سے زیادہ ہوچکی تھی مگر ابھی تک کدم بندی کے رسالہ کا ایک سپاہی تھا۔ اپنے آقا سے اجازت لیکر وہ باجی راؤ کی ملازمت میں آیا۔ اور فوراً پانچسو سواروں کا افسر مقرر کیا گیا۔ لیکن قدیم ولی نعمت کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اُسنے اپنے جھنڈے پر بندی سرداروں کا سا نشان لگایا جو دوسو برس کے بعد بھی ہولکر کے خاندان کا آج تک نشان ہے۔[1]

"پیشوا" کی فوج میں عہدہ پانے کے بعد ہی وہ کاکن[2] کی فتح کے لیے مامور کیا گیا۔ اور اس لڑائی میں اُس نے نیکنامی حاصل کی۔ مگر اس بلند ہمت کا سب سے بڑا کارنمایاں جسنے خاندان ہولکر کو دنیا میں مشہور کیا اور سلطنتِ مغلیہ کو جسم بیجان بنادیا، صوبۂ مالوہ کی فتح تھا۔

یہ صوبہ جنوب میں نربدا سے شمال میں چنبل تک اور مغرب میں راجپوتانہ و گجرات سے مشرق میں بندیلکھنڈ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جسوقت سے کہ اکبر نے گجرات و مانڈو کی جداگانہ سلطنتوں کا خاتمہ کیا، شہنشاہ دہلی کی حکومت میں شامل تھا۔ یہ علاقہ آگرہ سے قریب اور دکن کے راستہ میں واقع تھا اس لیے جب تک دہلی کی سلطنت کمزور نہیں ہوئی اس خطہ کا پُرامن اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ مگر عالمگیر کے بعد دہلی کی طاقت مضمحل ہوئی، دکن کی طرف پہلے کی سی توجہ نہ رہی اور مالوہ کے صوبہ دار بھی روز تبدیل ہونے لگے۔ محمد شاہ کے عہد میں کبھی نظام الملک یہاں کا صوبہ دار ہوا کبھی گردھر بہادر، کبھی محمد خاں بنگش اور کبھی راجہ جے سنگھ۔ اور عاملوں کے جلد جلد تبدیل ہونے سے حکومت کے کل پُرزے ڈھیلے پڑگئے۔

باجی راؤ کو پیشوائی کی مسند پر بیٹھتے ہی مالوہ کے فتح کی دھن سوار ہوئی تھی۔ اُسنے راجہ ساہو کو سمجھایا کہ "مغلیہ سلطنت کی بنیاد گل سڑ گئی ہے اسلیے مناسب ہے کہ درخت کے تنہ پر صدمہ پہونچایا جائے تاکہ ہری بھری شاخیں خود بخود گر پڑیں"۔ اور اُسکو یقین دلایا کہ "مالوہ کی فتح دہلی کی کنجی ہے۔ اگر اس

---

[1] یہ نشان ایک مثلث شکل کا ہے جسمیں سرخ و سفید دھاریاں ہیں۔ اور بالائی حصہ پر ان ہی دو رنگوں کے پھریرے ہیں۔ ۱۲

[2] ملکم صاحب اپنی یادداشت مالوہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہولکر اسی زمانہ میں پیشوا کے بھائی چمناجی کے ساتھ پرتگیز سے لڑنے گیا لیکن یہ واقعہ غلط ہے مرہٹوں کی پرتگال والوں سے لڑائی جس کا سپہ سالار چمناجی تھا ۱۷۳۹ء میں ہوئی تھی اور اس میں بھی ملہار راؤ شریک تھا۔ اسوقت جو کاکن میں جنگ ہوئی وہ ایک غیر مشہور حملہ تھا۔ اور اس میں باجی راؤ بھی شریک نہ تھا۔

علاقہ پر ہم قابض ہو گئے تو آگرہ اور دہلی چند روز کے مہمان ہیں"۔ راجہ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اُس نے مرہٹوں کی فوج کو نربدا سے عبور کرنے کا حکم دیا۔

جب بُرا وقت آتا ہے تو تباہی کے سامان ہر طرف سے ہجوم کر لیتے ہیں۔ آصف جاہ نظام الملک جو امرائے دہلی میں سب سے زیادہ قابل اور ذی وجاہت اور مالوہ و گجرات کے خراج کا ذمہ دار تھا محمد شاہ کی بد افعالیوں اور اُسکے مصاحبوں کے ناشایستہ حرکات سے آزردہ ہو کر اکتوبر ۱۷۲۳ء میں عہدۂ وزارت ہند سے مستعفی ہوا اور دکن جاکر حیدر آباد کی خود مختار ریاست قائم کی۔ بادشاہ نے مالوہ کی صوبہ داری اُس سے لیکر ایک برہمن گردھر بہادر کے سپرد کی اور اسی زمانہ میں مرہٹوں نے اپنی فوج کو مالوہ پر قبضہ کرنے کیلیے حرکت دی۔ نظام الملک یہ سوچکر کہ حیدر آباد اور دہلی کے درمیان مرہٹوں کا قبضہ مالوہ پر ہو گیا تو اُسکو مغلوں کے خوف سے ہمیشہ کے لیے نجات ملجائیگی سدِّ راہ نہ ہوا۔ اور مرہٹے بخوف نربدا کے پار ہو گئے۔

قدیم کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرہٹوں نے سنہ ۱۶۹۰ء ۱۶۹۴ء و ۱۶۹۶ء میں بھی مالوہ پر غارتگری کے چھاپے مارے تھے اور مانڈو دھار پر بھی کچھ دنوں کے لیے قابض ہو گئے تھے۔ لیکن اُس وقت تک نہ تو کسی مستقل فتح کا ارادہ تھا اور نہ مرہٹوں کو ایسی قدرت تھی کہ اپنے وطن سے دُور کسی علاقہ پر تصرف کا خیال کریں۔ وہ ان موقعوں پر لوٹ مار کے لیے آئے جو کچھ ہاتھ لگا کھسوٹا اور چلے گئے۔ مگر اب وہ اس صوبہ کو اپنے ملک کا ایک جزو بنانے پر مستعد تھے اور دہلی سے کسی سخت مزاحمت کا اندیشہ باقی نہ تھا۔

باجی راؤ کا لشکر سنہ ۱۷۲۳ء یا سنہ ۱۷۲۴ء میں مالوہ سے "چوتھ" وصول کرنے کے لیے آیا اور سنہ ۱۷۲۸ء سے قبل اس صوبہ کا اتنا وسیع حصہ انکے قبضہ میں آچکا تھا کہ ملہر راؤ ہولکر کو جسنے اس علاقہ کی فتح میں سب سے زیادہ کام کیا تھا حُسنِ خدمات کے صلہ میں بارہ محال نربدا کے اُس پار بطور جاگیر کے عطا کیے گئے۔ سنہ ۱۷۲۹ء میں باجی راؤ خود مالوہ کی طرف آیا اور صوبہ دار گردھر بہادر کو شکست فاش دیکر قتل کیا۔ اُسکا بھتیجا اور جانشین دیا بہادر مالوہ کے باقیماندہ حصہ پر حکومت کرتا تھا۔ مگر ملہر راؤ ہولکر نے سنہ ۱۷۳۲ء میں مقامی زمینداروں کی امداد سے اُسکو بھی قتل کیا[1]۔ اور قریب قریب کُل صوبہ پر مرہٹوں کی سلطنت قائم کر دی۔ پیشوا نے اندور کا ضلع ہولکر کو بطور جاگیر عنایت فرمایا۔ مگر جنگ ابھی ناتمام تھی۔ کیونکہ دہلی کے امرا اس زرخیز علاقہ کو ایسی آسانی سے ضایع نہیں کر سکتے تھے۔

---

[1] یہ لڑائی "دھار" کے قریب ہوئی تھی - ۱۲

سرکارِ دہلی سے محمد شاہ بنگش مالوہ کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد اُسکو مرہٹوں سے شکست کھا کر ایک قلعہ میں پناہ لینی پڑی۔ وہ بمشکل اپنی جان بچا کر الہ آباد ... بادشاہ نے یہ صوبہ راجہ جے سنگھ والیِ جے پور کے سپرد کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ باجی راؤ نے مالوہ پر چڑھائی کرنے سے پہلے ہی راجہ جے سنگھ سے سازش کر لی تھی اور "پوران" سے ایک عبارت نقل کر کے غرضِ مطلب کے لیے اُسکے پاس بھیجی تھی :-

"تو مثل اُس بادل کے ہے جو سمندر کا پانی پیتا ہے اور پھر اُس پانی کو گرج اور تڑپ کے ساتھ زمین کی طرف واپس کرتا ہے تاکہ گھاس اُگے اور سرسبزی ہو۔ پہاڑ اندر کے خوف سے تیرے پاس پناہ کے لیے آتے ہیں۔ تو تمناؤں کا درخت ہے بلکہ تو وہ سمندر ہے جسکے فیض سے تمناؤں کا درخت اُگتا ہے۔ تیری گہرائی کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ تو سمندر کی طرح بے تھاہ ہے۔

تجھکو ہر حال میں اگست[1] منی کو یاد رکھنا چاہیے۔"

جے سنگھ نے اس تحریر کا پوران ہی کے الفاظ سے جواب دیا تھا۔

"برہما کی اولاد اگر میرا قصور کرے تو میں معاف کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے میں اسپر قائم ہوں۔ اگست منی ایکبار سمندر کا پانی پی گئے تو کیا حاصل ہوا۔ اگر خدا اُن دیواروں کو جو سمندر کے گرد ہیں گرا دیتا تو دنیا تباہ ہو جاتی اور تب اگست منی کہاں رہتے۔"

اس سوال و جواب کے ظاہری الفاظ سے کوئی بغاوت ثابت نہیں ہوتی لیکن باجی راؤ اور جے سنگھ کا جو مطلب تھا وہ ان دونوں نے بخوبی سمجھ لیا یعنی مرہٹے اگر مالوہ پر حملہ کریں تو جے سنگھ مخالفت نہ کریگا۔ مگر مغلوں کی طاقت بڑی ہے اور اگست منی کے قائم مقاموں کو اُنکی قدرت سے خائف رہنا چاہیے!!

یہ خط کا ثبوت معلوم نہیں کہ دراصل واقع[2] ہوئی یا فقرہ بازوں نے قصہ تراش لیا لیکن اسمیں کلام نہیں کہ صوبہ داریِ مالوہ پر مقرر ہونے کے بعد جے سنگھ نے بجائے مرہٹوں کو تباہ و پسپا کرنے کے بادشاہ سے سفارش شروع کی کہ یہ علاقہ پیشوا کے سپرد کر دیا جائے!! اور سنہ ۱۷۳۴ء میں باجی راؤ مالوہ کا صوبہ دار بنایا گیا، اگرچہ ملہر راؤ بزورِ شمشیر اُسکو پہلے ہی فتح کر چکا تھا۔

---

[1] اگست منی ایک رشی تھے جو ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق ایکبار سمندر کا سب پانی پی گئے تھے۔ ۱۲

[2] ملکم صاحب اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ اُنسے چند مرہٹوں نے یہ قصہ بیان کیا تھا۔ ۱۲

مصاحبان شاہی نے سمجھا ہوگا کہ باجی راؤ مالوہ کی صوبہ داری کا زبانی وعدہ لیکر خاموش ہو جائیگا اور کوئی تازہ چھیڑ نہ نکالیگا لیکن اُنکا خیال غلط ثابت ہوا اور مرہٹوں نے اصرار کیا کہ مالوہ اور گجرات کی چوتھ وصول کرنے کا فرمان حسب ضابطہ عنایت کیا جائے۔ محمد شاہ کے مشیروں نے پروانہ جاری کرنے میں پس و پیش کیا تو پیشوا نے اپنے سرداروں کو دہلی کے مقبوضات پر چھاپے مارنے اور دار السلطنت آگرہ تک دھاوے کرنے کی اجازت دی تاکہ دہلی کے ارکان حکومت کو باضابطہ فرمان عطا کرنے کے لیے یاددہانی ہوتی رہے!! مالوہ کا صوبہ مرہٹہ سرداروں میں تقسیم کیا گیا اور جنوبی حصہ جو سب سے زیادہ محفوظ تھا ملہر راؤ کو عنایت فرما کر پیشوا دکن کو واپس گیا۔

ملہر راؤ ہولکر نے راجپوتانہ اور ہندوستان پر چھاپے مارنا شروع کیے اور اُسکا اقبال ہر مُہم میں ساتھ تھا۔ ایکدفعہ محمد شاہ کی بیگم ملکۂ زمانیہ کا خیمہ و خرگاہ بھی اُسنے لوٹ لیا۔ اور اس فتح کی دو یادگاریں مدت تک خاندان ہولکر میں محفوظ رہیں۔ جن میں سے ایک تورتھ تھا جسکے پردوں میں موتی ٹکے ہوے تھے، اور دوسری جواہرات کی ایک کنگھی تھی جسکی قیمت کا تخمینہ ایک لاکھ کا کیا جاتا تھا۔

جسقدر فرمان کے اجرا میں دیر ہوتی گئی اُتنا ہی باجی راؤ اپنے مطالبوں کو بڑھاتا گیا۔ یہانتک کہ مالوہ اور چنبل کے جنوب کے علاوہ متھرا، الہ آباد، اور بنارس کے مقدس شہروں کو بھی اپنی جاگیر میں شامل کیے جانے کا آرزومند ہوا۔ شاہی لشکر کئی بار مرہٹوں سے مقابل ہوا لیکن ملہر راؤ فنون حرب میں یگانۂ روزگار تھا۔ وہ مغلوں سے جمکر لڑائی نہ لڑتا تھا بلکہ اچانک حملوں سے اُنکے لشکر کو تباہ کر دیتا تھا اور خیمہ و خرگاہ لوٹ لیتا تھا۔

عاجز آکر بادشاہ نے مرہٹوں کو راجپوتانہ سے خراج وصول کرنے اور آصف جاہ کی قلمرو سے اپنی مرضی کے مطابق نذرانہ لینے کا اختیار دیا۔ لیکن یہ ترکیب بھی نہ چلی اور باجی راؤ صوبہ داری کا فرمان لینے کے لیے بذات خاص ہندوستان کی طرف بڑھا۔ ملہر راؤ نے جمنا پار کا ہندوستانی علاقہ بیدریغ لوٹنا شروع کیا لیکن اودھ کے صوبہ دار نواب سعادت خاں نے سلطنت کی آبرو رکھ لی اور مرہٹوں کو پسپا کیا۔ باجی راؤ نے اس خفیف مزاحمت کی کچھ پروانہ کی اور ۱۷۳۷ء میں دہلی کے سامنے پہونچ گیا۔

اب آصف جاہ کو ہوش آیا کہ مغلوں کی عداوت سے جو اندیشہ تھا وہی اُنکی کمزوری سے ہے اور جب دہلی کی سلطنت مٹجائیگی تو مرہٹے اُسکا ملک بھی باقی نہ رکھیں گے۔ لہذا وہ دکن سے بادشاہ

کی امداد کے لیے چلا۔ اُدھر قمرالدین خاں وزیر سلطنت اور سعادت خاں نے باہم متحد ہو کر مرہٹوں سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ یہ سیلاب بڑھتا دیکھ کر باجی راؤ دکن کی طرف واپس گیا اور مالوہ کی صوبہ داری بادشاہ نے آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین کو عطا فرمائی۔ شاہی لشکر مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا لیکن بھوپال کے مقام پر بعض سرداروں کی غفلت سے ایسی سخت شکست ہوئی کہ آصف جاہ کو باجی راؤ کے کل شرائط منظور کرنا پڑے۔ اور یہ معاہدہ[51] ہوا کہ نربدا سے چنبل تک جسقدر علاقہ ہے اور جسکا ایک جزو مالوہ بھی ہے مرہٹوں کو دیا جائیگا اور اس عہدنامہ پر بادشاہ کے مہر و دستخط کرا دیے جائیں گے۔ اس قول و قرار کے بعد آصف جاہ دہلی کو واپس گیا اور باجی راؤ نے ممالک مذکورہ پر قبضہ کر لیا۔ ابھی عہدنامہ پر شاہی دستخط نہ ہو پائے تھے کہ نادرشاہ[52] نے ہندوستان پر چڑھائی کی اور اُسکے قتل و غارت سے تمام شمالی ہندوستان مردہ ہو گیا۔

جب باجی راؤ کو نادرشاہ کے خوف و ہراس سے اطمینان نصیب ہوا تو اُسنے عہدنامہ پر دستخط ہونے کا تقاضا کیا اور کہا کہ وہ دہلی پر حملہ کرکے بادشاہ سے اپنی تمام شرائط منظور کرا لیگا مگر ہندوستان پر چڑھائی کرنے سے قبل آصف جاہ[53] کے بیٹے ناصر جنگ سے لڑائی ہو گئی اور اس میں مرہٹوں کو ایسی سخت زک پہونچی کہ نظام سے صلح کرنا پڑی اور دہلی کی چڑھائی ملتوی رہی۔ باجی راؤ کو اس غیر متوقع شکست کا نہایت صدمہ ہوا اور اسنے اپنے گرو کو ایک خط لکھا جسکے چند فقرے یہ ہیں[54]:

"میں مشکلات میں گرفتار ہوں۔ قرضہ اور مایوسی نے مجھ کو دبا لیا ہے۔ ... اسوقت ... جس طرح آدمی زہر کھانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ راجہ کی مجلس میں میرے بدخواہ جمع ہیں اگر میں ... جاؤں تو دشمن میری چھاتی پر کود دوڑیں گے۔ اسوقت موت آ جائے تو خدا کا شکر کروں۔"

اُسکی دعا قبول ہوئی اور اپریل ۱۷۴۰ء میں ناصر جنگ سے شکست کھانے کے چند ہی روز بعد وہ

---

[51] یہ معاہدہ فروری ۱۷۳۸ء میں ہوا ۱۲

[52] نادرشاہ کے قتل عام و غارتگری کی داستان ہندوستان میں مشہور ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ریکارڈس سے معلوم ہوتا ہے کہ نادرشاہ دہلی سے ۵۔ مئی ۱۷۳۹ء کو واپس گیا۔ ۱۱

[53] آصف جاہ دہلی میں تھا اور اُسکا دوسرا بیٹا ناصر جنگ دکن میں فوج کا سپہ سالار تھا ۱۱

[54] گرانٹ ڈف تاریخ مرہٹہ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۵۶۔ فٹ نوٹ۔

نربدا کے کنارے دنیا سے راہی ہو گیا۔

باجی راؤ کے بعد اُسکا بڑا بیٹا بالاجی راؤ پیشوا ہوا جو ہوشیاری اور طراری میں اپنے باپ کے برابر تھا۔ اُس نے ایک ہی سال تک اندر ملک کے انتظاماتِ اندرونی درست کر لیے اور دہلی کے دربار کو مالوہ کی جاگیر کے لیے یاددہانی شروع کی۔

اُس زمانہ کے بہادر بھولے ہوے وعدوں کی یاددہانی کاغذ کے پرزوں سے نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ تلواروں، نیزوں اور بھالوں سے قول و قرار یاد دلایا کرتے تھے۔ مرہٹوں نے بنگال پر حملہ کیا اور وہاں کا صوبہ دار الہ وردی خاں عاجز آکر بادشاہ سے امداد کا خواستگار ہوا۔ محمد شاہ کے پاس فوج کہاں باقی تھی جو بنگال کی مدد کرتا۔ البتہ اس بہانہ سے بادشاہ دہلی کو مرہٹوں سے پرانا عہدنامہ یاد آگیا! مالوہ کا صوبہ مرہٹوں کے سپرد کرنا دکن کی حکومت سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہونا تھا۔ اسلیے رنگیلے بادشاہ کو شراب کے نشہ میں بھی یہاں کا علاقہ چھوڑنے کی ہمت نہ پڑتی تھی مگر بالاجی نے حکمتِ عملی سے راجہ جے سنگھ کو ایسی پٹی پڑھائی کہ اُس نے چھ مہینے کے اندر مالوہ کی صوبہ داری کا فرمان ساہوجی کے نام جاری کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اُدھر نظام الملک نے بھی بالاجی کو مالوہ کی نائب صوبہ داری دلانے کا اقرار کیا اور مرہٹوں نے پچاس لاکھ روپے کا ایک جدید مطالبہ پیش کیا تھا جسکی بنیاد یہ قائم کی تھی کہ بادشاہ دہلی نے نادر شاہ کے خلاف مدد دینے کے لیے اس انعام کا اقرار کیا تھا اور باوجودیکہ مرہٹے اُسوقت دہلی کو مدد نہیں پہونچا سکے لیکن انعام تو بہرحال ملنا چاہیے (!!) جسکو سنکر بھیڑیے اور میمنے کی قدیم کہانی یاد آتی ہے، مگر نظام الملک نے سلطنت کی کمزوریوں پر نظر کر کے اس رقم کے دلانے کے لیے بھی سفارش کا وعدہ کر لیا۔

جب سب طرف سے بالاجی کا پایہ زبردست ہو گیا اور محمد شاہ کے دست و بازو قابو سے باہر ہو گئے تو اُسنے مجبور ہو کر اپنی آبائی سلطنت کی خودکشی کا پروانہ جاری کیا یعنی پیشوا کو صوبہ دار مالوہ تسلیم کر لیا اور ۲۲- جمادی الاول ۲۴ سنہ جلوس (مطابق ۱۷۴۳ء) کو فرمان[۱] پر دستخط کر دیے۔ مگر اطمینان کے لیے مرہٹہ قوم کے چار بڑے سرداروں سے جن میں سے ایک ملہر راؤ بھی تھا ضمانت لی کہ پیشوا سلطنت دہلی کے تابع رہیگا۔ اور

[۱] یہ فرمان ریاست پونا کے محافظ خانہ میں آخری پیشوا کے عہد تک موجود تھا۔ اور اسکا انگریزی ترجمہ گرانٹ ڈف نے اپنی تاریخ مرہٹہ میں نقل کیا ہے۔ (جلد ۲ - صفحہ ۱۵)

اگر وہ بغاوت کرے تو یہ چاروں سردار اُسکی ملازمت سے دستکش ہو جائیں گے۔

اس تاریخ سے مالوہ سلطنت دہلی سے جدا ہوگیا اور یہاں ملہر راؤ نے مرہٹوں کی مستقل حکومت کی وہ بنیاد ڈالی جو دلی کے تباہ ہونے، پونا کا دربار لُٹنے اور انگریزی راج قائم ہو جانے پر بھی نہ ہل سکی!!

خدا کی شان! ملہر راؤ جو بچپن میں بکریاں چراتا تھا، آج ایسا معزز ہوا کہ اُسکی ضمانت پر بادشاہ دہلی اپنا بہترین علاقہ مرہٹوں کے سپرد کرتا ہے اور وہ اس حکومت پر قناعت نہ کرکے تخت دہلی کی بھی ہوس رکھتا ہے!!!

جس دن سے دریائے نربدا کو عبور کرکے مرہٹوں کے ہراول سپاہی مالوہ کے حدود میں داخل ہوئے ملہر راؤ اس صوبہ کی فتح کے متعلق تمام فوجی مشوروں میں شریک تھا۔ ۱۷۳۱ء میں پیشوا نے اُسکو نربدا پار کے تمام علاقہ کا حاکم بنا دیا۔ اور مالوہ پر قبضہ دراصل اُسی کی کوشش کا ثمرہ تھا۔ اس علاقہ پر باضابطہ متصرف ہونیکے بعد اُس نے مرہٹوں کی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کیا اور نیت کی کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکالکر پیشوا کو دہلی کے تخت پر بٹھا دے۔ اسنے ادھر سے اٹک تک اور رجپوتانہ سے کیا پورنک حملے شروع کیے۔

جس طرف سے گذرا مرہٹوں کا رعب رعایا کے قلوب پر بٹھا دیا۔ جسقدر اُسکے دبدبہ میں اضافہ ہوتا تھا اُتنی ہی بادشاہ دہلی کی بے وقعتی ہوتی تھی۔ اور دوآبہ کے باشندے جو اکبر و جہانگیر کے جاہ و جلال کی بدولت ابھی تک دلی کے نام پر جان دیتے تھے روز بروز وہاں کے بادشاہ سے برگشتہ ہوتے جاتے تھے

اس عرصہ میں مرہٹوں کا برائے نام راجہ ساہو جی مر گیا اور پیشوا کی کوشش سے راجہ رام مسبوق الذکر کا لڑکا ستارہ کا حاکم ہوا تو مالوہ کے محاصل سے ۷۵ لاکھ کی جاگیر ملہر راؤ کو عنایت کی گئی۔ مالوہ کی کل نکاسی اُسوقت ۱½ کروڑ تھی اور اُس میں سے نصف ہولکر کو عطا ہوتا اور بقیہ میں سندھیا وغیرہ سب سے

سلہ رنوجی سندھیا کا خاندان کسی زمانہ میں معزز اور باحیثیت تھا مگر انقلاب زمانہ سے غریب ہوگیا تھا۔ یہانتک کہ رنوجی پیشوا کا کفش بردار تھا۔ ایک دن پیشوا کو راجہ ساہو کی مجلس میں دیر تک حاضر رہنا پڑا اور یہ ملازم اپنے آقا کی جوتیاں ہاتھوں سے تھامے ہوئے سو گیا جب پیشوا باہر آیا تو اپنی جوتیاں ملازم کے ہاتھ میں اُسکے سینے پر رکھی ہوئی دیکھ کر اور ملازم کو نیند کی غفلت میں بھی اپنی خدمت سے خبردار پاکر بہت خوش ہوا اور اُسکو پگاہ کے سواروں میں بھرتی کر لیا۔ رفتہ رفتہ وہ سلطنت کا ایک رکن ہو گیا۔ مالوہ کی فتح میں شریک تھا۔ اور اُسکا اقبالمند لڑکا "مادھاجی" ہندوستان کی تاریخ میں مشہور ہے۔ شاہ عالم اسی کا وظیفہ خوار تھا۔ اور گوالیار کی موجودہ ریاست اسی کے جانشینوں کے پاس ہے۔

سرداروں کا شریک کیا جانا اس دعوے کا ثبوت ہے کہ ملہار راؤ سے زیادہ کسی سردار کی عزت پیشوا کی نظر میں نہ تھی اور اُس سے زیادہ شجاع و کارآزمودہ جنرل مرہٹوں کے ملک میں کوئی موجود نہ تھا۔ اگر اُسکے صلاح و مشورہ پر آئندہ بھی عمل ہوتا تو یقیناً ہندوستان میں مرہٹوں کی سلطنت قائم ہو جاتی اور آج تاریخ ہند میں کچھ اور ہی داستان نظر آتی۔ مگر اسکی تفصیل کا ابھی وقت نہیں آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسکا انجام ظاہر ہوگا۔

مالوہ کی جاگیر کے علاوہ راجپوتانہ میں رامپورہ، بھانپورہ[۵۳] اور ٹونک کا علاقہ بھی اُسکے قبضہ میں تھا اور دکن میں بھی کافی جائداد اُسکے پاس تھی۔ اور اُسکی فوجی طاقت اسقدر قوی تھی کہ جب ۱۷۵۱ء میں دہلی کے وزیر صفدر جنگ کو جو اپنے باپ سعادت خاں کی جگہ اودھ کا صوبہ دار اور دہلی کا وزیر ہوا تھا، روہیلوں نے ستایا تو اُس نے سلطنت کی ذلت و حقارت کا لحاظ نہ کرکے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے ملہار راؤ سے مدد مانگی۔ ہولکر ایسے موقع کا منتظر ہی تھا فوراً وزیر کی امداد کو پہنچا اور ایک عجیب و غریب چالاکی سے دشمن کو شبخون مار کر تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ کارتھیج کے مشہور سپہ سالار ہنبال[۵۴] نے رومیوں کو زک دینے کے لیے یہ ترکیب کی تھی کہ رات کے وقت دو طرف روشنی کر دی اور تیسری طرف سے اندھیرے میں حملہ کیا۔ رومیوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ تین طرف سے گھرے ہوے ہیں، چوتھی طرف سے بھاگنا شروع کیا۔ ملہار راؤ کے وقت تک کارتھیج کی قدیم تاریخ تو ہندوستانی کم جانتے ہونگے اسلیے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہولکر کے دماغ میں خود بخود وہی نقشہ تھا جو ہنبال کو سوجھا تھا۔ اُسنے ہزاروں جانوروں کی سینگوں میں مشعلیں باندھیں اور اُنکو روشن کرکے ایک طرف سے دشمن کی جانب ہانک دیا۔ دوسری سمت درختوں اور جھاڑیوں پر ہزاروں قندیلیں آویزاں کر دیں۔ اور تیسری طرف سے اپنی فوج لیکر حملہ کیا۔ روہیلوں نے سمجھا کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے اور خوفزدہ ہو کر

---

[۵۳] راجہ جے سنگھ والی جے پور کے مرنے کے بعد اُسکے لڑکوں میں وراثت کے لیے جھگڑا ہوا۔ ہولکر نے چھوٹے بیٹے مادھو سنگھ کا اس بنا پر ساتھ دیا کہ وہ اودے پور کی ایک لڑکی کے پیٹ سے ہے اور اسلیے شرافت میں افضل ہے۔ بڑا لڑکا خودکشی کرکے مرگیا اور ہولکر کا دوست راجہ ہوا تو اُس نے ۶۴ لاکھ روپیہ نقد اور رامپورہ و بھانپورہ اور ٹونک کا علاقہ ہولکر کو نذر کیا۔ ۱۲

[۵۴] ہنبال اور ملہار راؤ کے منصوبوں کا انجام بھی یکساں ہوا۔ نہ وہ دومۃ الکبریٰ میں کارتھیج کا سکہ چلا سکا نہ یہ پیشوا کو دہلی کے تخت پر بٹھا سکا۔ مگر روما میں کچھ دم باقی نہ رہا تھا اور خلاف اُمید معاملات نے اُسکو پسپا ہونے پر مجبور کیا اُسی طرح دہلی کی سلطنت کی کوئی قوت باقی نہ رہی تھی اور احمد شاہ ابدالی بھی ملہار راؤ کو زیر نہ کرسکتا اگر پانی پت کی لڑائی میں اُسکے مشورہ پر عمل ہوتا۔ جیسا آگے بیان ہوگا۔ ۱۲

ایسے بھاگے کہ ہمالیہ کے دامن میں پناہ لی۔ اُنکا خیمہ و خرگاہ لوٹ لیا گیا۔ اودھ کا صوبہ محفوظ ہو گیا اور شاہ دہلی کی طرف سے روہیلوں کو تباہ کرنے کے انعام میں چندور کی سردیش مکھی یعنی دس فیصدی مالگذاری وصول کرنے کا ہولکر کو فرمان عنایت ہوا۔ (ظریف کہتے ہیں کہ یہ رسم یاں ہے کہ گور مار نیا۔ اُلٹا دینا پڑا ہے خون بہا۔)

کہا جاتا ہے کہ جب ملہر راؤ نے روہیلوں کو اپنی تدبیر و حکمت سے تباہ کیا اور صفدر جنگ کی گلو خلاصی ہوئی تو اُس نے ہولکر سے پوچھا کہ وہ اس فتح کا کیا معاوضہ چاہتا ہے؟ وفا پرست سردار نے عاجزی سے جواب دیا کہ "میں پیشوا کا غلام ہوں اور اُسکی ماتحتی سے الگ ہو کر کوئی نفع نہیں چاہتا۔ البتہ خاندیس میں چندور کی دیش مکھی اگر مجھکو عطا فرمائی جائے تو میں بہت خوش ہونگا" چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور چندور کی جاگیر دی گئی۔

ملہر راؤ کو صفدر جنگ سے کوئی خاص محبت نہ تھی۔ وہ اپنے ارادہ کی تکمیل کیلیے وزیر کا شریک ہوا تھا۔ اور اس بہانہ سے اُس نے روہیلوں کی زبردست فوج کو کچل ڈالا۔ وہ دہلی کے امرا کے ساتھ اسوقت وہی بازی کھیل رہا تھا جو پچاس برس کے بعد ایک اقبالمند قوم نے اُس کے ہموطنوں کے مقابلہ میں دکھائی۔ اُسنے صفدر جنگ سے ملکر روہیلوں کو تباہ کیا اور پھر نظام الملک کے بیٹے غازی الدین سے ملکر صفدر جنگ کو زچ کرنے لگا۔ یہ چال پہلے سے بھی زیادہ گہری تھی۔ غازی الدین کی سازش سے حیدرآباد اور دہلی دونوں جگہ مرہٹوں کا اقتدار قائم کرنا منظور تھا۔ جب غازی باپ کے مرنے کے بعد دکن کی ریاست پر قبضہ کرنے کو چلا تو ہولکر اپنی فوج لیے اُسکی مدد کو ساتھ تھا! پیشوا نے بھی موقع مناسب سمجھکر حیدرآباد میں قدم جمانا چاہے اور مرہٹوں کی فوجیں غازی الدین کو بزور شمشیر حیدرآباد کی مسند پر بٹھانے کو اورنگ آباد میں جمع تھیں کہ غازی الدین[1] کا دفعتہً انتقال ہو گیا۔ فریق مخالف بغیر مزاحمت کے مسند نشین ہوا اور مرہٹوں کو دست اندازی کا کوئی بہانہ باقی نہ رہا۔

غازی الدین کا ایک لڑکا دہلی میں تھا اسکو صفدر جنگ نے غازی الدین خاں خطاب و امیر الامرائی

[1] بعض انگریز مورخوں نے لکھا ہے کہ غازی الدین کو اُسکی ماں نے زہر دیا۔ جب یہ روایت خلاف فطرت سمجھی گئی تو دوسرے مورخوں نے اصلاح کی کہ سوتیلی ماں نے زہر دیا تھا۔ مگر ان میں سے کسی قول کی دکن کی اسلامی تاریخوں سے تائید نہیں ہوتی۔ کیا اچانک موت بغیر زہر خورانی کے ممکن نہیں؟ خدا کو حیدرآباد کی ریاست قائم رکھنا منظور تھی ورنہ پونا کے راج کے ساتھ اسکا بھی خاتمہ ہو جاتا!!

کا منصب لاکر باپ کا قائم مقام کیا لیکن وہ اپنے محسن کے خلاف ہوگیا اور اُسکا زور کم کرنے کے لیے احمد شاہ کو تخت سے اُتار کر عالمگیر ثانی کو بادشاہ بنایا اور خود اُسکا وزیر بنگیا۔

محمد شاہ رنگیلے کے وقت میں نادر شاہ کے حملہ کے بعد ہندوستان پر ایک چڑھائی[1] احمد شاہ ابدالی نے کی تھی (جو نادر شاہ کی موت کے بعد افغانستان کا حاکم ہوگیا تھا) اور اپنا رقبۂ حکومت پنجاب تک وسیع کرکے لاہور میں ایک نائب السلطنت قائم کیا تھا۔ اور اس طرح یہ زرخیز صوبہ بھی دہلی کی حکومت سے الگ ہوچکا تھا۔ محمد شاہ کے بعد اُسکا بیٹا احمد شاہ دہلی میں تخت نشین ہوا تو اُسنے بھی پنجاب پر دوبارہ تسلط قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور جب ابدالی کا نائب قضاء الٰہی فوت ہوگیا تو اُسکے بیٹے کو (یہ ولایت اُسکی ماں رکھی) پنجاب کا حاکم رہنے دیا تھا لیکن عالمگیر ثانی کا زمانہ آیا اور غازی الدین وزیر ہوا تو اس صوبہ کو ابدالی کے پنجہ سے نکالنے کی کوشش شروع کی گئی۔ غازی الدین نے مرحوم صوبہ دار کی بیوہ سے خط کتابت کی اور اُسکی ناکتخدا بیٹی سے نکاح کا پیام دیا۔

رشتہ منظور ہوا تو وزیر اپنا بیاہ رچانے کے بہانہ سے لاہور کی طرف بڑھا۔ ۱۷۵۶ء میں یکایک شہر کو جا دبایا اور مظلوم بیوہ کو سوتے ہوئے گرفتار کیا۔ جب وہ قید ہوکر وزیر کے سامنے آئی تو غازی الدین کو کوسنے لگی اور پیشینگوئی کی کہ اُسکا آقا احمد شاہ ابدالی اس ذلت کا بدلہ لیگا۔ یہ قول بالکل صحیح ثابت ہوا۔ ابدالی اپنی متوسلہ کی بربادی سنکر مدد کو دوڑا اور پنجاب سے گذر کر دہلی کے قریب تک پہونچگیا۔ وزیر نے خوشامد سے بیوہ کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اُسکو بیچ میں ڈال کر احمد شاہ سے معافی مانگی لیکن وہ اپنا سفر خرچ وصول کرنے کے لیے دہلی کی طرف بڑھا اور متھرا کو لوٹ کر جون ۱۷۵۷ء میں اپنے ملک کو واپس گیا۔ رخصت کے وقت بادشاہ دہلی نے ابدالی کی منت کی کہ اُسکو غازی الدین وزیر کے رحم پر چھوڑ! مروت کے خلاف ہے تو اپنے سامنے ہی اُس نے نجیب خاں روہیلہ کو دہلی کا امیر الامرا بنایا اور اُس سردار کو بادشاہ کی حفاظت کی تاکید کی۔

جیسے ہی ابدالی اقلیم ہند سے باہر ہوا غازی الدین خاں نے دوبارہ سر اُٹھایا اور حاکم فرخ آباد احمد خاں بنگش کو امیر الامرائی کا منصب عنایت کرکے نجیب خاں کو معطل کر دیا۔ خود غازی الدین کو اتنی قوت نہ تھی کہ نجیب الدولہ کو زیر کر سکے لہذا اُس نے پھر مرہٹوں سے امداد طلب کی۔ اُنکی اعانت سے شہر پر متصرف ہوکر قلعہ شاہجہانی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مرہٹوں کا ایک فوجی دستہ نجیب الدولہ

[1] یہ احمد شاہ ابدالی کا پہلا حملہ تھا جو ۱۷۴۸ء میں ہوا۔

کے وطن روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کو روانہ کیا۔

جب بادشاہ کو قلعہ کی حفاظت سے مایوسی ہوئی تو اُس نے حکمت عملی سے اپنے بیٹے علی گوہر کو بھگا دیا اور ملہر راؤ ہولکر سے نامہ و پیام کر کے نجیب الدولہ کی جان بچائی۔ ان امور سے فرغت کے بعد بادشاہ نے قلعہ کے دروازے کھول دیے اور غازی الدین کو اپنا وزیر تسلیم کرایا۔ اسوقت ہولکر کی سازش سے نجیب خاں کی خلاصی ہوئی تو ہمیشہ کے لیے ان دونوں میں ایک خفیہ دوستی قائم ہو گئی۔ لیکن ملہر راؤ کا مقصود اس امداد سے نجیب الدولہ کی ہمدردی نہ تھی بلکہ غازی الدین خاں سے برابر کی چوٹ کے لیے ایک زبردست مخالف کا زندہ رکھنا مرہٹوں کی آیندہ کامیابیوں کے لیے مناسب تھا۔ نجیب الدولہ سہارنپور کی طرف بھاگا اور اس تہ کو نہ سمجھ کر ملہر راؤ کا بہت ممنون ہوا اور اُسکی شکر گزاری آیندہ بہت پھول پھل لائی۔

بہر حال اس مہم کے بعد ۱۷۵۸ء میں وزیر کے مشورہ سے مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے ابدالی کے نائب کو ہٹا کر دوسرا سردار پنجاب کی حکومت پر تعنیات کیا۔

مرہٹوں کا دستہ جو روہیلکھنڈ کی طرف گیا تھا اُس نے نجیب الدولہ کا ملک خوب لوٹا اور پھر اودھ کی طرف رُخ کیا۔ قریب تھا کہ پنجاب سے بنگالہ کی سرحد تک کل علاقہ مرہٹوں کے تصرف میں آجائے مگر شجاع الدولہ نے اپنی قدیم رنجشوں کو فراموش کر کے روہیلوں سے میل کیا اور نومبر ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں کو گنگا پار ہٹا دیا۔

احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ کی معطلی اور بے بسی کی خبر ہوئی تو وہ کابل سے کوچ کر کے پھر پنجاب تک آپہونچا۔ غازی الدین کو خوف پیدا ہوا کہ بادشاہ اُسکی زیادتی کی شکایت کریگا اور نجیب الدولہ کی تباہی کا انتقام لیا جائیگا تو اُسنے مظلوم عالمگیر ثانی کو (تاریخ ۳۰ - نومبر ۱۷۵۹ء) قتل کر دیا اور دوسرے شہزادہ[۱] کو تخت پر بٹھانا چاہا مگر یہ ترکیب کارگر نہ ہوئی۔ شہزادہ علی گوہر شجاع الدولہ کی پناہ میں تھا اور باوجود معزور ہونے کے وہی شاہ عالم کے خطاب سے ہندوستان کا جائز بادشاہ مقبول ہوا۔ اگرچہ دارالسلطنت دوسروں کے قبضہ میں تھا۔

بہر حال بادشاہ کو قتل کر کے غازی الدین نے مرہٹوں کی فوجیں ابدالی کو روکنے کے لیے پنجاب

(۱) شہزادہ کام بخش پسر اورنگ زیب کا لڑکا تھا۔

کی طرف بڑھائیں۔ یہ لشکر دو حصوں پر تقسیم تھا۔ ایک پر دتاجی[1] سندھیا اور دوسرے پر ملہار راؤ ہولکر حاکم تھا۔ روہیلا نجیب الدولہ غازی الدین اور مرہٹوں سے بیزار تھی اس لیے ابدالی کے کوچ و مقام کی ان سرداروں کو صحیح خبر نہ مل سکی۔ دتاجی کی فوج پر ابدالی نے ایکا ایک چھاپا مارا اور اسکے لشکر کا بیشتر حصہ کاٹ کر پھینکدیا ہولکر نے دانشمندی سے چمبل کی طرف واپسی شروع کر دی تاکہ دشمن کی رسد روکدے مگر افغانوں نے اسکو بھی ایکدن گھیر لیا اور تباہی کے لگ بھگ پہونچا دیا۔ بڑی حکمت سے وہ اپنی فوج کا زیادہ حصہ بچا کر جنوب کی طرف بھاگا اور ابدالی دوآبہ میں داخل ہو گیا۔

باوجود اس اتفاقی ناکامی کے مرہٹوں کی قوت اسوقت شباب پر تھی۔ شمال میں ہمالیہ اور دریائے اٹک تک انکا دبدبہ قائم اور جنوب میں سمندر تک انکی حکومت تھی۔ جو صوبے انکی اطاعت سے آزاد تھے وہ یا تو باجگزار بنگئے تھے یا اسقدر ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے کہ مرہٹوں کی غلامی میں داخل ہونے کو بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ مرہٹوں کا راجہ بدستور "ستارہ" میں نظر بند تھا اور حکومت پیشوا کے ہاتھ میں۔ فتوحات میں دوسرے سرداروں نے بھی مدد کی تھی مگر اس ترقی کا سب سے بڑا باعث ملہار راؤ ہولکر تھا جو قریب قریب ہر میدان میں کامیاب ہوتا تھا اور جس جگہ صورت دگرگوں نظر آتی تھی وہاں سے اپنی فوج کو نہایت خوبی کے ساتھ ہٹا کر دوسرے کمزور مقاموں پر حملہ کر دیتا تھا اور مرہٹوں کی سطوت جبروت میں فرق نہ آنے دیتا تھا۔

جبکہ ہولکر شمالی ہندوستان کو مرہٹوں کی سلطنت کے لیے صاف کر رہا تھا پیشوا کا چچازاد بھائی "سداشیو بھاؤ" دکن میں سلطنت کو وسعت دینے اور نظام کے زیر کرنے میں مصروف تھا۔ اسنے صوبیدار دکن کو شکست دیکر بہت علاقہ اور روپیہ وصول کیا تھا اور اس مہم سے فارغ ہو کر اس نے پیشوا کو صلاح دی تھی کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال دینا ہی بہتر ہے تاکہ آئے دن کے جھگڑوں بکھیڑوں سے نجات ملے اور ملک کو اطمینان نصیب ہو۔ اب مرہٹوں نے اپنا فوجی نظام درست کر لیا تھا۔ انکا لشکر لٹیروں کی جماعت نہ تھا بلکہ اس میں منتخب سوار ملازم تھے اور دس ہزار قواعد داں پیادے تھے۔ انکا توپخانہ بہت ترقی کر گیا تھا اور کل سامان جنگ انکے پاس مغلوں سے بہتر موجود تھا۔ سندھیا اور ہولکر کو احمد شاہ ابدالی سے زک ملی تو اسنے مرہٹوں کی آتش غضب پر تیل چھڑکا اور پونا میں مستقل ارادہ کر لیا گیا کہ ابکی دفعہ ہندوستان پر ایسی بھاری چوٹ کیجائے کہ ہمیشہ کے لیے یہ قصہ ہی پاک ہو جائے

---

[1] یہ دتاجی سندھیا مسبوق الذکر کا لڑکا تھا۔ ۱۲

انسان تجویز کرتا ہے اور خدا کی بارگاہ سے احکام صادر ہوتے ہیں۔ آدمی کا کام صرف عمل کی نیت کرتا ہے، اُسکا سرانجام پانا یا ناتمام رہنا آسمانی طاقت کے سپرد ہے !!

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

احمد شاہ ابدالی سندھیا اور ہولکر کو شکست دیکر خوش ہوا ہوگا مگر ستمبر ۱۷۵۹ء میں پونا سے اُسکی سرکوبی کیلئے ایک زبردست فوج روانہ ہو چکی تھی جو عنقریب اُسکی خوشیوں کو مبدل کرنے کیلیے دہلی پہونچا چاہتی تھی !!

"سداشیو بھاؤ" مع پیشوا کے لڑکے "وشواس راؤ" کے بڑے ساز و سامان کے ساتھ دکن سے چلا تھا بڑے بڑے سورما برہمن اور چنے ہوے سردار اُسکے ہمرکاب تھے۔ ایک مضبوط توپخانہ[1] اور دس ہزار ہندو قچی اور توپچی جلو میں تھے جنکا افسر ایک شخص "ابراہیم گردی" نام تھا جسنے فرانسیسیوں سے فنون حرب کی تعلیم پائی تھی، بیس ہزار مرہٹہ سردار بیش قیمت گھوڑوں پر سوار اُسکے اشارہ پر جان دینے کو ہمراہ تھے۔ گجرات سے گیکوار اپنی فوج لیکر ساتھ ہوا۔ مالوہ سے ملہر راؤ ہولکر نے اپنی امداد شامل کی۔ بندیلکھنڈ سے وہاں کا سردار گووندپنتھ اپنے رسالہ کو لیکر حاضر ہوا۔ راجپوت سرداروں نے بھی مدد دی اور بھرت پور کے جاٹ سورج مل نے بیس ہزار سپاہی پیش کیے۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے قریب پہونچتے پہونچتے چار پانچ لاکھ فوج ہوگئی !!

مرہٹوں کے لشکر میں اسوقت سب سے زیادہ ہوشمند اور تجربہ کار ملہر راؤ ہولکر تھا۔ اسکی عمر ۶۷ سال کے قریب ہو چکی تھی۔ وہ مرہٹوں کے قدیم عادات و اطوار اور اُنکے مجرب فنون جنگ سے آگاہ تھا۔ اُس نے دیکھا کہ "بھاؤ" کے ساتھ بڑے بڑے پرتکلف ڈیرے اور شامیانے ہیں جن میں ریشم و زربفت کا کام کیا ہوا ہے۔ ہاتھیوں اور گھوڑوں پر بیش قیمت جھولیں پڑی ہیں۔ سامانِ خوراک و اسباب معیشت کی سیکڑوں گاڑیاں ساتھ ہیں اور وہی سب ساز و سامان جمع ہے جو پچھلے زمانہ میں مغلوں کے ساتھ ہوتا تھا اور مرہٹے چھاپے مارکر اُسکو لوٹا کرتے تھے۔ طرہ یہ کہ سپہ سالار تکبر و خود پسندی کے نشہ میں مست ہے اور اپنی طاقت کے زعم میں زمین پر پاؤں نہیں رکھتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ برعکس ہو جائے۔ افغانی اپنے تیز گھوڑوں پر چڑھکر دھاوے کریں اور مرہٹے یا تو اس سامان سے ہاتھ دھوئیں یا اپنی جانیں گنوائیں !! اُسنے سورج مل جاٹ سے مشورہ کیا اور ان دونوں نے متفق ہوکر بھاؤ کو صلاح دی کہ توپ خانہ اور بھاری سامان بھرتپور

[1] گرنٹ ڈف تاریخ مرہٹہ۔ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۔

میں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ کسی مضبوط قلعہ میں رکھا رہے اور سردار صرف سواروں کی جمعیت سے مرہٹوں کے قدیم اصول جنگ کے مطابق دشمن کو زچ کریں اور لڑائی کو اتنا طول دیں کہ افغان جو کئی مہینے سے ہندوستان آئے ہوئے ہیں آب و ہوا کی ناموافقت سے مجبور ہو کر اپنے ملک کو واپس جائیں۔ کوئی شک نہیں کہ ملہر راؤ کا مشورہ نہایت مناسب تھا مگر بھاؤ کی قسمت میں وہ تباہی لکھی تھی جو ہمیشہ غرور کے ساتھ چلتی ہے۔ اس نے قواعد داں پیادہ فوج اور توپ خانہ پر بھروسہ کر کے خدا کو فراموش کیا اور ملہر راؤ سے کہا "میں بکریاں چرانے والے کی صلاح نہیں چاہتا" پھر سورج مل کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ "چھوٹے زمینداروں کو بڑے بڑے ملکوں کے انتظام کی قابلیت نہیں ہوتی ہے"۔ ملہر راؤ شرمندہ ہوا اور سورج مل کو یہ چوٹ بہت ناگوار ہوئی مگر مصلحت وقت دیکھ کر دونوں خاموش رہے اور بھاؤ بڑے شان و شکوہ سے دہلی کی طرف بڑھا۔

دار السلطنت میں اسوقت کوئی بادشاہ نہ تھا۔ شاہ عالم مفرور تھا اور تھوڑی سی افغانی فوج قلعہ کی حفاظت کے لیے موجود تھی۔ وہ اس سیلاب عظیم کا کیا مقابلہ کرتی۔ بھاؤ نے آسانی سے شہر پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ میں خوب لوٹ کھسوٹ کی اور دربار عام کی چھت میں جو چاندی[1] نادر شاہ کی غارتگری سے بچ رہی تھی اُسکے ہاتھ آئی۔

بعض مورخ لکھتے ہیں کہ دہلی پر متصرف ہونے کے بعد بھاؤ نے پیشوا کے لڑکے وشواس راؤ کو تخت پر بٹھایا اور شجاع الدولہ کو منصب وزارت عنایت کیا۔ لیکن یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ مرہٹوں کی کتابوں[2] سے بھی اسکی کوئی سند نہیں ملتی۔ ممکن ہے کہ بھاؤ کی نیت اس عمل کی ہو اور اپنے حلقۂ احباب میں اُس نے یہ خیال ظاہر کیا ہو لیکن جبتک احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں موجود تھا اس تجویز پر عمل کرنا بالکل غیر ممکن اور خلاف قیاس تھا۔

سورج مل جاٹ پہلے ہی بھاؤ سے آزردہ تھا۔ فتح دہلی کے بعد اُسکا چڑھا ہوا پارہ دیکھکر جاٹ نے شجاع الدولہ سے خفیہ ساز کیا اور اپنے ملک کو چلا گیا۔ مگر بھاؤ نے اسکی کچھ پروا نہ کی اور دسہرہ کے بعد ہی احمد شاہ سے مقابلہ کے لیے دہلی روانہ ہوا۔ ۸۰ میل کے فاصلہ پر کنجپورہ میں ایک فوجی چھاؤنی

[1] اس چاندی کی قیمت کا تخمینہ سترہ لاکھ کیا جاتا ہے۔

[2] ڈف گرانٹ صاحب لکھتے ہیں کہ اُسنے عالم شاہ کے لڑکے مرزا جوان بخت کو بادشاہ بنایا تھا۔ (جلد ۲- صفحہ ۱۴۳)

افغانوں کی لوٹ کر اپنے خیال کے مطابق سلسلۂ فتوحات میں ایک کڑی کا اور اضافہ کیا ۱۱

احمد شاہ اس عرصہ میں انوپ شہر کے مقام پر مقیم تھا اور شجاع الدولہ کو ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نجیب الدولہ اور روہیلوں کی فوجیں پہلے سے اُسکے ساتھ تھیں لیکن وہ اودھ کا لشکر بھی مرہٹوں سے مقابلہ کے لیے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ نجیب الدولہ کے سمجھانے سمجھانے سے شجاع الدولہ راہ پر آگیا۔ اور اگرچہ مرہٹوں سے خط و کتابت کا سلسلہ اُس نے قائم رکھا۔ لیکن جولائی ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ کے کیمپ میں داخل ہوگیا۔

جب ابدالی کو اودھ کی طرف سے اطمینان ہوا تو برسات گزرنے سے قبل اُسنے انوپ شہر کی چھاؤنی توڑی اور دہلی کی طرف بڑھا۔ راستہ میں خبر ملی کہ مرہٹوں نے کنج پورہ کی چوکی پر دھاوا کیا ہے تو اُسنے غضبناک ہوکر دریائے جمنا کو عبور کیا جو ابھی تک پایاب نہ ہوا تھا۔ اُسکی فوج کا ایک حصہ دریا کے عبور میں ضائع ہوگیا مگر اس ہمت و دلاوری کا رعب ایسا چھایا کہ ۲۶۔ اکتوبر کو ایک ہلکی لڑائی[۱] کے بعد ہی مرہٹے شمال کی طرف پسپا ہوئے اور پانی پت کی دیواروں کے نیچے پناہ لیکر کیمپ کے گرد حفاظت کے لیے ایک گہری خندق کھودی اور دمدمے اور مورچے لگائے۔ احمد شاہ وہاں پہونچا تو اُس نے بھی دشمن کے مقابل اپنے خیمے گاڑے۔ دو مہینے تک یہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں اور اب اُس نیک مشورہ کا نتیجہ ظاہر ہوا جو ملہر راؤ نے سال بھر پہلے دیا تھا اور اسکے انعام میں پھکڑ کی پائی تھی اور طعنہ سنا تھا یعنی قصہ اُلٹ گیا۔ مرہٹے خود محصور ہوگئے۔ افغان اِردگرد دیہات میں چکر لگاتے اور دشمن کو رسد اور چارہ نہیں لانے دیتے تھے۔ بُندیلکھنڈ کا رئیس گووند پنت ہمت کرکے چارہ کی تلاش میں دُور نکل گیا تو ہزار آدمیوں کے ساتھ میرٹھ کے قریب مارا گیا اور مرہٹوں کے لشکر میں قحط پڑ گیا۔

اسوقت افغانوں کی فوج میں بروایت صحیح ۱۸ ہزار کابلی ۱۸ ہزار روہیلے سوار ۳۸ ہزار ہندوستانی پیادے اور ۸۰ توپیں تھیں۔ مرہٹوں کی جمعیت کاشی راے[۲] معتمد نواب شجاع الدولہ کے قول کے مطابق پانچ لاکھ تھی۔ لیکن اس تعداد میں غالباً کیمپ کے خلاصی اور ملازمین بھی شامل

[۱] یہ لڑائی سونی پت کے مقام پر ہوئی تھی۔ ۱۲ [۲] کاشی راے اس جنگ کا چشمدید گواہ ہے۔ اُسکی مرتب کی ہوئی داستان جنگ ایشیاٹک ریسرچز جلد سوم میں اسوقت تک محفوظ ہے۔ ۱۲

تھے۔ لڑنیوالے بہادر ۷۰، ۸۰ ہزار کے درمیان تھے۔ اور اسکے علاوہ ایک بڑی تعداد لوٹیروں کی ہمراہ تھی۔ دو سو توپیں ساتھ تھیں اور ایک بہت بڑا ذخیرہ "بان" کا تھا جو مرہٹوں کا موروثی آلۂ جنگ ہے اور جسکے استعمال میں انکو خاص ملکہ تھا۔

دونوں فریق مقابلہ میں پڑے پڑے عاجز آگئے تھے۔ ہلکی ہلکی لڑائیاں ہوتی تھیں جنسے کچھ نتیجہ نہ تھا۔ سب چاہتے تھے کہ جلد ایک فیصلہ کن جنگ ہو کر معاملہ یکسو ہو جائے لیکن احمد شاہ لڑائی کو ٹالتا تھا اور ہندوستانی سرداروں سے کہتا تھا کہ "ہر ایک کام تمھارے اختیار میں ہے اور میں کچھ دخل نہیں دیتا لیکن لڑائی کا شروع کرنا میری مرضی پر چھوڑ دو"۔ اُس نے بھی اپنے لشکر کے گرد خندق بنائی تھی اور اُسکے سامنے ایک سرخ رنگ کا ڈیرا کھڑا کیا تھا جسمیں طلوع آفتاب کے بعد اشراق کی نماز پڑھتا تھا اور شام کو کھانا کھاتا تھا۔ دن بھر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار مختلف جنگی مقامات کو دیکھتا پھرتا تھا اور پچاس ساٹھ میل کا چکر ایکدن میں لگاتا تھا۔ رات کے وقت پانچ ہزار سواروں کا پہرہ شبخون سے حفاظت کے لیے قائم کرتا جو وہ اُنکی نگرانی رکھتا اور ہندوستانی رئیسوں کو آرام کی اجازت دیتا تھا۔ ایک چشمدید گواہ[1] کا بیان ہے کہ احمد شاہ کے احکام کی تعمیل اُسکے لشکر میں فرمانِ تقدیر کی طرح ہوتی تھی۔ یعنی اُسکے حکم کا ٹلنا محال تھا! ایسے جفاکش اور جہاں دیدہ جنرل کے مقابلہ کیلیے ملہر راؤ کی دانشمندانہ صلاح کو نہ مانکر بہاؤ ایک متعفن نشیب میں محصور تھا۔ جہاں فاقہ سے مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں دماغ کو پریشان کرتی تھیں۔ اور بھوکے پیاسے سپاہیوں کا شور و ہنگامہ سرداروں کو زندگی سے عاجز بناتا تھا۔ ایکدن مصیبتوں سے تنگ آکر سبنے بہاؤ سے عرض کیا کہ اب کھانے پینے کو کچھ باقی نہیں رہا، رسد کے ذخیرے ختم ہو گئے بھوکوں مرنے سے لڑائی کی جوکھم اُٹھانا آسان ہے۔ بہاؤ نے اُنکی رائے سے اتفاق کیا اور سبنے لڑنے مرنے کی قسم کھائی۔ فوج کو حکم سنایا گیا کہ کل طلوع آفتاب سے پہلے دھاوا ہوگا۔

بہاؤ کو ابھی آس باقی تھی کہ شجاع الدولہ ابدالی کا ساتھ چھوڑ کر مرہٹوں کا شریک ہو جائیگا۔ آدھی رات کے وقت اُسنے کاشی راے کو خاص اپنے ہاتھ سے لکھا کہ "اب پیالہ لبریز ہو گیا اور ایک بوند کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کچھ بن پڑے تو کرو ورنہ صاف جواب دو کیونکہ اسکے بعد لکھنے پڑھنے کا وقت نہ ملیگا"۔ کاشی راے یہ رقعہ پاتے ہی شجاع الدولہ کے پاس گیا اور ابھی خط سنا ہی رہا تھا کہ جاسوس دوڑتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ مرہٹے مسلح ہو رہے ہیں۔ شجاع الدولہ فوراً احمد شاہ کے ڈیرہ پر گیا اور پہرہ والوں

[1] کاشی راے - ۱۲

سے کہا کہ بادشاہ کو جگانا چاہیے۔ اسکی آواز سنکر احمد شاہ خود باہر نکل آیا تو ہتھیاروں سے آراستہ تھا۔ وہ شجاع الدولہ سے دو دو باتیں کرکے گھوڑے پر سوار ہوا اور فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔

جب صبح کا سپیدہ پھیلنے لگا تو مرہٹوں کی فوج آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوئی۔ توپ خانہ آگے تھا، قلب لشکر میں بھاؤ، داہنی طرف ہولکر اور سندھیا کی فوجیں، اور بائیں طرف ابراہیم گردی کی قواعدداں پیادہ فوج تھی۔ احمد شاہ نے بھی اپنی فوج کو آراستہ کیا۔ بائیں طرف سندھیا اور ہولکر سے مقابلہ کے لیے نجیب الدولہ اور روہیلوں کو قائم کیا۔ انکے بعد نواب اودھ کو دو ہزار سواروں کے ساتھ رکھا۔ قلب میں حافظ رحمت[لہ] خاں کو اور داہنی طرف گردی کے مقابل ایرانیوں کا لشکر کھڑا کیا۔ انکے علاوہ دو ڈویژن منتخب سواروں کے افغان سرداروں کی ماتحتی میں فوجِ محفوظ کے طور پر الگ رکھے اور خود لال ڈیرے میں جا بیٹھا جو اب فوج کے پیچھے ہو گیا تھا۔

مرہٹوں کے توپ خانہ نے آتشبازی شروع کی اور ایرانی رسالہ کے قدم اکھڑ گئے۔ ابراہیم گردی کے پیادے روہیلوں پر اس زور سے بڑھے کہ آٹھ ہزار پٹھان کام آگئے اور تین گھنٹے تک گردی میدان کا فاتح رہا۔ شجاع الدولہ بدحواس ہو گیا۔ وہ نہ لڑتا تھا نہ بھاگتا تھا۔ البتہ نجیب الدولہ دھوئیں کی آڑ سے سواروں کی زور روکتا تھا اور بار بار چلّاتا تھا کہ "سب سردار غلطی کر رہے ہیں لیکن میں ایسی خطا کرکے کہاں رہوں گا"۔

جب اسی حال میں دوپہر ڈھل گئی اور تقریباً ایک بجے کا وقت ہوا تو احمد شاہ اپنی فوجِ محفوظ لیکر قلبِ لشکر کی امداد کو آیا اور ہر طرف سے مرہٹوں کو گھیر لیا۔ اسکے بعد بھی ایک گھنٹہ تک جان توڑ لڑائی رہی لیکن اس تازہ دم فوج سے بھوکے پیاسے مرہٹے کیونکر مقابلہ کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے جس سردار نے میدان سے بھاگنے کا ارادہ کیا وہ سپہ سالار بھاؤ تھا۔ اس نے اپنے متعلقین ہولکر کی حفاظت میں دیے اور گھوڑے کی باگ موڑ کر سرپٹ فرار ہو گیا۔ ملہر راؤ کو فتح سے پہلے ہی مایوسی تھی لیکن اپنے خلوص اور وفاداری کے جوش سے وہ ابھی تک جان پر کھیل رہا تھا۔ جب وشواس راؤ قتل ہو گیا تو اسنے بھی طے کیا کہ اس میدان سے اپنے لشکر کو زندہ و سلامت نکال لیجانا مرہٹوں کی آئندہ بہبودی کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اور اپنی ماتحت فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ نجیب الدولہ ہولکر کا ممنون تھا۔ اسنے تعاقب نہیں کیا اور ملہر راؤ

لہ روہیلوں کا مشہور سردار جو شجاع الدولہ کی لڑائی میں بعد کو قتل ہوا۔ ۱۲

کی فوج اس حسرت انجام میدان سے قریب قریب بے داغ نکل گئی۔

کہا جاتا ہے کہ بے شمار مرہٹے اس لڑائی میں قتل ہوئے۔ اور جو دشمنوں کی مار سے بھاگے اُنکو تعاقب کرنیوالے سواروں نے قتل کیا یا دیہاتیوں نے کپڑوں اور ہتھیاروں کے لالچ سے صاف کیا۔ ابراہیم گردی زخموں سے چور گرفتار ہوا اور ایک ہفتہ کے اندر مر گیا۔ کاشی راج کا بیان ہے کہ افغانیوں نے ابراہیم کے ساتھ بیرحمی کا برتاؤ کیا۔ اور اُسکے زخموں پر زہر کے پھاہے چڑھائے لیکن یہ روایت خلافِ قیاس ہے۔ اُس زمانہ میں دشمن کی جان لینا ایک معمولی بات تھی۔ اگر ابراہیم سے مرہٹوں کے ساتھ دینے کا بدلہ لینا منظور ہوتا تو احمد شاہ اُسکو ایک ہفتہ تک کیوں زندہ رہنے دیتا؟

خاندان سندھیا میں سے جنکوجی زندہ گرفتار ہوا اور باوجود شجاع الدولہ کی سفارش کے قتل کر دیا گیا۔ مادھاجی سندھیا جسنے لُھر راؤ کے بعد ہندوستان میں بہت عروج پایا اس خونی میدان سے ایک دکھنی گھوڑی پر سوار بھاگا اور ایک افغانی نر گھوڑے پر سوار اُسکے تعاقب میں چلا۔ گھوڑی بیسیوں کوس کی منزل ایک سانس میں کر سکتی تھی مگر گھوڑا مادہ کی بو پاکر اُسکا پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ جب افغانی نے تعاقب سے عاجز آکر واپس ہونا چاہا تو مست گھوڑا اُسکے قابو سے باہر تھا۔ آخرکار مادہ خوف کھاکر ایک خندق میں گر گئی اور پٹھان نے مادھاجی کے پاؤں پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ ہمیشہ کے لیے لنگڑا ہو گیا۔ سندھیا کے قیمتی کپڑے اُتار لیے، ہتھیار چھین لیے اور اُسکو زندہ چھوڑکر اپنے لشکر کی طرف واپس گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک مسلمان سقہ رانا خاں نام بیل پر چھاگل لادے خندق کے پاس سے گذرا اور مادھاجی کو خستہ و مجروح دیکھ کر اپنے بیل پر سوار کیا اور حفاظت کی جگہ پہونچا دیا۔ سندھیا اس احسان کو نہیں بھولا اور سقّے کو اپنا بھائی کہتا رہا یہاں تک کہ سندھیا کے انتہائی عروج کے وقت یہی سقہ اُسکی فوج کا ایک جنرل اور سلطنت دہلی کے وکیل مطلق کا دست و بازو تھا!!

میدان جنگ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک لاش بے سر کی ملی جسکی بابت یقین کیا گیا کہ وہ بھاؤ کی ہے۔ شجاع الدولہ کے اصرار سے اُس جسم بے سر کی کریا ہوئی۔ اگرچہ یہ معاملہ مشتبہ رہا کہ وہ لاش واقعی[1] بھاؤ کی تھی یا نہیں۔ بڑے بڑے مرہٹہ سردار اس جنگ میں قتل ہوئے[2] اور گرانٹ ڈف صاحب کے

[1] کئی برس کے بعد ایک مکار نے بھیس بدلکر اپنے کو سداشیو بھاؤ کے نام سے مشہور کیا لیکن اُسکا فریب جلد ظاہر ہو گیا [2] تاریخ مرہٹہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۹

قول کے مطابق مرہٹوں کے کاغذات سے مقتولین کی تعداد دو لاکھ معلوم ہوتی ہے۔

بالاجی پیشوا دکن سے مزید فوج لیکر بھاؤ کی امداد کو چلا تھا اور نربدا کے کنارے خیمہ زن تھا کہ اُسکو مرہٹوں کے ساہوکار کا قاصد ملا جو دکن میں گماشتہ کے نام خط لیے جاتا تھا۔ پیشوا نے خط چھین کر پڑھا تو اُسکے یہ الفاظ تھے:۔

"دو موتی گھل گئے۔ ۲۷ اشرفیاں کھو گئیں۔ چاندی اور تانبہ کی میزان کا کچھ شمار نہیں"

اس مبہم عبارت سے پیشوا نے سمجھ لیا کہ لشکر کو شکست ہوئی۔ اُسی وقت وہ سپاہی بھی آنا شروع ہوئے جو میدان سے منہ موڑ کر بھاگے تھے۔ اور انھوں نے اس خیال کی تصدیق کی۔ پیشوا نے آگے بڑھنا بے سود سمجھ کر فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ اور گمان کیا جاتا ہے کہ اسی شکست کے صدمہ سے جون ۱۷۶۱ء میں جنگ سے پانچ مہینے[1] بعد مرگیا۔

پانی پت کی لڑائی بہت زیادہ تفصیل سے بیان کی گئی لیکن ملہار راؤ کی زندگی اور نیز مرہٹوں کی تاریخ میں یہ سب سے زیادہ مہلک جنگ تھی اور اُس نے ہولکر کی تمام عمر کی کوشش بیکار کردی۔ بھاؤ کی خود سری سے یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا۔ اور ہولکر اپنی فوج کو اگر دور اندیشی سے بچا نہ لاتا تو ہندوستان کے ساتھ مالوہ سے بھی مرہٹوں کی حکومت فنا ہو جاتی۔ اُسپر آجکل الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ میدانِ جنگ سے بہت جلد چلا آیا اور اُسنے کوئی نمایاں خدمت اپنے قوم و ملک کی اس میدان میں نہیں کی۔ لیکن الزام قائم کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ ساری تباہی اُسکی نصیحت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی، اور ایسی حالت میں جو کچھ سرفروشی اُس نے ظاہر کی وہ محض اُسکے خلوص و وفاداری کا نتیجہ تھی۔ علاوہ اسکے اگر ہولکر اپنی فوج کو صحیح و سلامت نہ لے آتا تو مرہٹے دوبارہ ہندوستان پر چڑھائی کرنیکی ہمت نہ کرتے۔ کیونکہ آئندہ جو کچھ کامیابیاں مرہٹوں کو نصیب ہوئیں وہ درحقیقت اُسی دانشمندی کا ثمرہ تھیں جو ملہار راؤ نے اپنی فوج کو مع‌لوہ بچا لانے میں دکھائی تھی۔ بہرحال ہولکر نہایت قلق کے ساتھ مالوہ واپس ہوا اور ہندوستان سے مایوس ہو کر اپنی ریاست کی اصلاح میں مصروف ہوا۔ اسکے پاس مالوہ میں ۷۴ ½ لاکھ آمدنی تھی۔ راجپوتانہ میں رامپورہ، بھانپورہ، اور ٹونک کی جاگیر پر قبضہ تھا۔ دکن میں ایک وسیع علاقہ تھا، خاندیش میں ریاست تھی، وادی نربدا کے جنگل اسکی ملک تھے۔ ست پڑا اور بندھیاچل کے پہاڑوں پر اسکے قلعہ تھے۔ غرض اپنی انتظامی قابلیت صرف

[1] جنگ پانی پت جنوری ۱۷۶۱ء میں ہوئی تھی۔ ۱۲

کرنے کے لیے ملہر راؤ کے پاس بہت زرخیز میدان موجود تھا۔ لیکن چالیس برس تک فوج کی سرداری کرنے کے بعد اپاہج بنکر گھر بیٹھنا مشکل تھا۔ ہندوستان سے واپس آتے ہی وہ نئے پیشوا مادھو راؤ کی مدد کے لیے نظام دکن سے لڑنے گیا اور راکشش بن کی مشہور لڑائی میں مغلوں کو ایسی شکست دی کہ صوبہ اتبہ ہولکر کو جاگیر میں دیا گیا۔

سنہ ۱۷۶۴ء میں جب بھرتپور کے راجہ سورج مل نے دہلی سے سرتابی کی اور وزیر نے راجہ کو قتل کر دیا تو ملہر راؤ اپنی فوج لیکر سورج مل کے بیٹے کی مدد کو پہونچا اور دہلی پر چڑھائی کر دی مگر نجیب الدولہ کو وزیر کی مدد پر دیکھ کر اُسکی آنکھ احسانمندی قدیمانہ کے بوجھ سے نیچی ہو گئی اور اپنے ملک کو واپس چلا آیا۔

جب مرہٹوں کی حالت سنبھلی اور پیشوا کا چچا رگھوناتھ راؤ ہندوستان کا دوبارہ عازم ہوا تو باوجود ضعیفی کے ملہر راؤ کو چین نہ آیا اور ۷۰ برس کی عمر میں اپنی فوج لیکر ساتھ ہوا۔ مگر عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا ۲۲ مئی سنہ ۱۷۶۶ء کو عالم پور کے ضلع میں گوالیار سے تقریباً ۴۰ میل کے فاصلہ پر دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ اسی مقام پر اُسکی چھتری بنائی گئی، اور وہ گاؤں آج تک ملہر گنج کے نام سے مشہور ہے اور ہولکر کے جانشینوں کے قبضہ میں ہے۔

اس بہادر سردار کی پرائیوٹ لائف بالکل دریافت نہ ہو سکی جسکی ساری عمر فوجی کیمپ میں صرف ہوئی ہو اُسکے خصائل کا اندازہ صرف واقعات تاریخی ہی سے ہو سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ وضع کی سادگی اور حلم و تواضع میں کوئی مرہٹہ سردار اُسکے مقابلہ کا نہ تھا۔ رئیسوں اور شریفوں کے ساتھ اُسکا برتاؤ بہت اچھا تھا اور اُسکی فیاضی ریاست ہولکر میں ضرب المثل ہے۔ جب کسی سپاہی سے خوش ہوتا تو حکم دیتا تھا کہ اسکی ڈھال روپوں سے بھر دو۔ دولت کی اسکو کچھ قدر نہ تھی اور کہا کرتا تھا کہ حساب کتاب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ پیشوا کا تمام عمر نیازمند و وفادار رہا اور باوجود عروج پانے کے وہ دن اسکو کبھی فراموش نہیں ہوا جب وہ کھیت میں بکریاں چراتا ہوا سو گیا تھا اور سانپ اُسکے سر کے پاس آیا تھا۔

سچ ہے کہ شریف آدمی اپنی حالت کبھی نہیں بدلتے اور میوہ سے لدی ہوئی ڈالی ہمیشہ اپنا سر زمین کی طرف جھکائے رہتی ہے۔ وفاداری، اولو العزمی، ہمت، بہادری، سادگی، فروتنی اور فیاضی وہ خواص اوصاف ہیں جن میں ملہر راؤ اپنے ہمچشموں سے ممتاز تھا۔ اور ہندوستان کی موجودہ نسل کو اس بہادر کی سوانحعمری سے ان خوبیوں کا سبق لینا چاہیے۔

اہلیا بائی اور ٹوکوجی ہولکر

احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان سے فتحمندی کا سہرا باندھ کر لوٹ گیا اور ہندوستان کا ملک جسم بیجان کی طرح چھوڑ گیا۔ یہاں کے دونوں جنگجو فریق زخموں سے چور تھے اور فاتح و مفتوح قریب قریب یکساں طور پر خستہ حال تھے۔ شاہ عالم مفرور۔ غازی الدین خاں روپوش۔ نجیب الدولہ دہلی کا امیرالامرا اور شجاع الدولہ انگریزوں سے دوستی کے پینگ بڑھانے میں مصروف تھا تاکہ اُنکی مدد سے رُہیلوں کو زیر اور نجیب الدولہ کے آبائی ملک پر قبضہ کرے۔ تمام شمالی ہندوستان میں لڑنے کی سکت کسی میں نہ باقی تھی۔ پنجاب میں سکھوں نے زور پکڑا اور پورب میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے امرائے دہلی کی باہمی مخالفت سے فائدہ اُٹھایا۔ حیدرآباد کا صوبہ دار نظام دکن اپنی قلمرو میں وسعت دینے کے لیے مرہٹوں کے علاقہ پر حملہ آور ہوا لیکن فریقین میں طویل جنگ کی قوت باقی نہ تھی۔ دو ہی میدانوں میں فیصلہ ہوگیا اور باہم صلح کرکے اپنے اپنے گھر واپس گئے۔

باجی راؤ پیشوا پانی پت کی شکست سے چند ہی مہینے بعد دنیا سے رخصت ہوگیا تھا اور اسکا لڑکا مادھوراؤ مسند نشیں تھا لیکن سلطنت کا انتظام اُسکے چچا رگھوناتھ راؤ کے سپرد تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں "رگھوبا" کے نام سے مشہور ہے اور جسکی بدنصیبی نے یہ کہاوت بنادی تھی کہ "جو رگھوبا کا شریک ہوا مارا گیا یا ذلیل ہوا"۔

جنگ پانی پت سے چار برس بعد جب مرہٹوں کو دوبارہ ہاتھ پانوں ہلانے کی ہمت ہوئی تو رگھوبا نے ہندوستان کا رخ کیا اور ملہر راؤ ہولکر اپنی فوج لیکر اُسکی مدد کو چلا لیکن چند ہی روز کے بعد یہ نامور سردار دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اور رگھوبا کی مہم ناکام رہی۔

ملہر راؤ کے صرف ایک ہی بیٹا کنڈی راؤ تھا۔ جو جنگ پانی پت سے پہلے ہی ایک محاصرہ[۵] میں قتل ہوچکا تھا۔ اس لڑکے کی شادی اہلیا بائی نام سندھیا خاندان کی ایک لائق لڑکی سے ہوئی تھی۔ اور اُس سے ایک بیٹا ملی راؤ موجود تھا۔

دادا کے مرنے کے بعد یہی ملی راؤ اندور کا راجہ ہوا۔ اور رگھوبا نے پیشوا کی طرف سے خلعت

---

۵ کنڈی راؤ کھیری کے محاصرہ میں مارا گیا تھا۔ یہ مقام ڈیگ اور بھرت پور کے درمیان واقع ہے۔

بھیجکر اُسکو ملہر راؤ کا جانشین تسلیم کرلیا۔ لیکن اُسکی صحت بہت خراب اور مزاج میں خفقانیت تھی حکومت
پاتے ہی جنون کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ اور چند ہی مہینوں میں مصیبت زدہ ماں اسکی بدعنوانیوں
سے عاجز آگئی۔ اہلیا بائی مذہب کی سخت پابند تھی اور برہمنوں کی خاص طور پر عزت کرتی تھی۔ لیکن
راجہ کو اس فرقہ سے بغض تھا اور اُسکو برہمنوں کے ستانے میں لطف آتا تھا۔ برہمنوں کو جوڑے دان
کرتا تو اُن میں بچھو رکھ دیتا تھا۔ اور روپیوں کی تھالی نذر کرتا تو زہریلے کیڑے اُس میں چھپا دیتا تھا۔
جب برہمنوں کو تکلیف پہونچتی تو وہ قہقہے لگاتا اور ماں روتی تھی!!
ایک بار راجہ کو شک ہوا کہ کوئی کاریگر محل کی ایک خادمہ سے تعلق رکھتا ہے تو بغیر کسی ثبوت
کے اُس بیگناہ کو قتل کرا دیا۔ اور جب کچھ عرصہ کے بعد متواتر شہادتوں سے ثابت ہوا کہ کاریگر بےقصور
تھا تو اس قدر پشیمانی ہوئی کہ حسرت و افسوس نے اُسکو پاگل بنا دیا۔ اور وہ سلطنت کے ناقابل ہوگیا۔
دُکھیاری ماں دن رات اُسکے سرہانے بیٹھی آنسو بہایا کرتی تھی اور وہ دعا میں کوشش کرتی تھی۔
آخر کار نو مہینے برائے نام راج کرنے کے بعد فروری ۱۷۶۷ء میں ملی راؤ کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور
ملہر راؤ کا کوئی وارث باقی نہ رہا۔
اہلیا بائی کی ایک لڑکی بھی تھی۔ لیکن اُسکی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی تھی اور وہ دھرم
شاستر کے مطابق ریاست کی مستحق نہ تھی۔ دیوان نے مشورہ دیا کہ ہولکر کا ایک بعید رشتہ دار جو بہت
کم عمر تھا گدی پر بیٹھا یا جائے تاکہ اس بہانہ سے انتظام حکومت دیوان کے ہاتھ رہے۔ مگر اُس نے غلطی
کی کہ رگھوبا کو نذرانہ دینے کا وعدہ کرکے اپنا ہم رائے بنا لیا۔ اور اُسکی مدد کے بھروسہ پر اہلیا بائی کو
اپنی تجویز سے اتفاق کرنے پر مجبور کیا۔
رگھوبا جس معاملہ میں شریک ہوتا اُس کا سرسبز ہونا غیر ممکن تھا۔ اہلیا بائی کو ہولکر کی ریاست
میں پیشوا کا دخیل ہونا سخت ناگوار ہوا۔ اُس نے رگھوبا کو روپیہ دینے سے انکار کرکے دیوان کی شرمناک
تجویز کو نامنظور کر دیا۔ اور فوجی سرداروں سے مشورہ کرکے اعلان کیا کہ ملہر راؤ کا کوئی وارث ہولے
اُسکی ذات خاص کے باقی نہیں ہے۔ اس لیے وہ خود حکومت کریگی اور فوج کی سپہ سالاری کےلیے
کسی سردار کو انتخاب کرلیگی۔
رگھوبا نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے فوجی تیاریاں شروع کیں تو اہلیا بائی نے اُسکے پاس پیام
بھیجا کہ "عورت پر چڑھائی کرکے دنیا میں بدنام نہ ہو۔ فتح سے عزت نہ بڑھے گی اور عورت سے شکست پانے
کے بعد منہ دکھانا مشکل ہو جائے گا"

رگھوبا کو اگر سمجھ ہوتی تو وہ بدنصیبی میں کیوں مشہور ہوتا۔ اُس نے رانی کے عاجزانہ پیام کی کچھ پروا نہ کی اور ایک مظلوم بیوہ پر حملہ کے لیے فوج روانہ کی۔ اُس وقت مرہٹوں میں مادھوجی سندھیا حاکم اجین اور جنوجی بھونسلا والی ناگپور بہت معزز و محترم تھے۔ ان دونوں نے عورت سے مقابلہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھ کر فوج تو پیشوا کی خدمت میں حاضر کی لیکن لشکر کی سرداری سے انکار کردیا۔ اور یہ عذر کیے کہ عورت پر چڑھائی کرنا بہادری کے خلاف ہے" رگھوبا کو غیرت دلائی۔ نوعمر پیشوا مادھوراؤ نے بھی اہلیا بائی کی سفارش کی۔ اور سب طرف سے مجبور ہوکر رگھوبا اپنے ظالمانہ ارادوں سے دست بردار ہوا۔ اور جو لشکر اس رانی کے زیر کرنے کے لیے فراہم کیا تھا اُسکو نجیب الدولہ کے ستانے کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ کردیا۔ رگھوبا کی بدقسمتی سے اُسی وقت احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر دوبارہ حملہ کیا۔ اور یہ فوج بغیر کسی نمایاں کامیابی کے مالوہ واپس آئی۔

رگھوبا کے فتنہ سے نجات پاکر اہلیا بائی نے حکومت کا انتظام باطمینان اپنے ہاتھ میں لیا اور فوج کی سپہ سالاری پر ایک کارآزمودہ سردار تُکوجی نام جو پہلے "پگاہ" کی فوج میں افسر تھا مقرر کیا۔ یہ سردار ملہر راؤ کا رشتہ دار نہ تھا، مگر خاندان ہولکر سے تعلق رکھتا تھا۔ اور پانچ چھ پشتوں کے بعد اُسکا سلسلۂ نسب ملہر راؤ کے جد اعلیٰ ملہار جی سے ملتا تھا۔

اہلیا بائی نے تُکوجی کو رگھوبا کے ساتھ پونا روانہ کیا تاکہ پیشوا کے ہاتھ سے اُسکو خلعت پہنایا جائے۔ اور یہ اعلان کیا کہ دفتر و خزانہ کی نگرانی وہ خود کریگی اور فوج کا انتظام و اہتمام تُکوجی کے سپرد رہے گا۔

یہ سپہ سالار مالوہ میں بہت ہی کم رہا۔ اور دور دراز مقامات پر کبھی کبھی اُس نے اپنی ذمہ داری پر بھی کام کیا ہوگا۔ لیکن عام طور پر کل ضروری امور سلطنت اہلیا بائی کے اشارہ سے ہوتے تھے جنگ و صلح کا فیصلہ اور ممالک غیر سے تعلقات بالکل رانی کے ہاتھ میں تھے۔ اُسکے وکیل پونا، حیدرآباد، سرنگاپٹم[1]، ناگپور، لکھنؤ، اور کلکتہ میں موجود رہتے تھے۔ مگر جب تُکوجی پونا میں ہوتا تھا تو وہی اہلیا بائی کی طرف سے پیشوا کے دربار میں وکیل سمجھا جاتا تھا۔ غرض راج کی سردار اہلیا بائی تھی۔ اور

[1] میسور میں حیدر علی نے ایک زبردست سلطنت قائم کرلی تھی۔ اور سرنگاپٹم اُس کا دارالسلطنت تھا حیدر علی کے جانشین ٹیپو سلطان کے عہد میں اس ریاست کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کا ملک انگریزوں، نظام، اور مرہٹوں کے تصرف میں آیا۔ موجودہ ریاست میسور اسی سلطنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ ۱۲

اُسکی زندگی بھر ٹکوجی نے اپنی عزت سپہ سالار سے زیادہ نہیں سمجھی۔

جب ٹکوجی جنوب میں ہوتا تو ست پوڑا سے دکن کا علاقہ اُسکے زیرِ نگرانی رہتا اور شمال کی جائداد اہلیا بائی کے انتظام میں آتی۔ جب وہ شمال کی طرف جاتا تو ہندوستان، بندیلکھنڈ، اور راجپوتانہ کی جاگیر اُسکے سپرد رہتی اور دکن کا کاروبار اہلیا بائی دیکھتی۔ لیکن مالوہ اور نیماڑ کے اضلاع ہر صورت اہلیا بائی کے قبضہ میں رہتے تھے۔ اور ریاست کا خزانہ اُسکے تصرف میں تھا۔ اُس کی ذاتی جاگیر کے علاوہ (جو چار لاکھ کے قریب تھی) بقیہ کُل آمدنی ریاست کے بہی کھاتہ میں جمع ہوتی تھی۔ اور ایک ایک پائی کا حساب مرتب رکھا جاتا تھا۔

تقریباً تیس سال تک ٹکوجی اور اہلیا بائی کی متحدہ حکومت قائم رہی لیکن ان دونوں ذی اختیار حاکموں کے درمیان جھگڑے کا تو کیا ذکر ہے کبھی چشمک کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اور انھوں نے اپنے باہمی اتفاق سے "دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند" کی قدیم کہاوت میں ایک استثنا پیدا کر دیا۔

ٹکوجی ریاست کی فوج لیے ہوئے دور دور لڑتا رہا، لیکن اس عقلمند رانی نے محض اپنے انصاف اور رحم کی طاقت سے ریاست کے حدود میں امن قائم رکھا۔ وہ روزانہ دربارِ عام میں بےپردہ جلوس کرتی۔ ضروری کاغذات پر خود دستخط بناتی۔ اور بذاتِ خاص استغاثے سُنتی تھی۔ وہ طلوعِ آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے بیدار ہو کر پوجا پاٹ سے فراغت کے بعد کچھ دیر تک مذہبی کتابیں سنتی، برہمنوں کو خیرات و خوراک تقسیم کرتی، اور ناشتہ کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرکے دربار میں آتی تھی۔ جہاں عموماً دو بجے سے چھ بجے شام تک موجود رہتی تھی۔ اُسکے بعد دو تین گھنٹے مذہبی عبادت میں صرف کرکے ۹ بجے شب سے پھر کارِ منصبی شروع کرتی اور گیارہ بجے رات سے پہلے بستر پر نہ جاتی تھی۔ تیس برس تک مسلسل یہی دستور العمل قائم رہا۔ البتہ تیوہاروں کے موقع پر اس میں کچھ تغیر ہو جاتا تھا۔ باوجود سخت دماغی محنت کے وہ سوائے اناج اور ترکاریوں کے کچھ نہ کھاتی تھی۔ اور گوشت سے پرہیز کرتی تھی، اگرچہ اُسکی قوم میں اسکا استعمال ممنوع نہ تھا۔

اسکی انتظامی قابلیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اُسکے عہد میں بجز ایک ناکام حملہ کے جو اودے پور کے رانا نے کیا تھا کسی بیرونی دشمن کو اُسکے ملک پر چڑھائی کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اُسکے طویل دورِ حکومت میں ایک ہی برہمن وزارت کے عہدہ پر قائم رہا۔ اور اُسکے عمال بھی بہت کم تبدیل کیے جاتے تھے۔ مالگزاری کی وصولی کے لیے اُس نے زمینداروں سے بندوبست

کیا اور اندور کو جو اُسکے وقت سے پہلے ایک مختصر گاؤں تھا ترقی دے کر ہندوستان کے دولتمند شہروں میں شمار کیے جانے کے قابل بنا دیا۔

ایک انگریز آفیسر[1] نے جو اہلیا بائی کی وفات سے تھوڑی ہی مدت کے بعد اندور میں وارد ہوا تھا، اس رانی کے رحم و انصاف کے چند قصے لکھے ہیں، جن کا درج کرنا اس مضمون کی دلچسپی میں اضافہ کر سکتا ہے۔

(۱) ایک بار ٹوکو جی ہولکر اپنی فوج لیے ہوئے اندور کے پاس خیمہ زن تھا۔ وہاں کا ایک ساہوکار دیوی چند فوت ہوا اور اُسکے کوئی اولاد نہ تھی۔ ٹوکوجی نے ساہوکار کی جایداد سے ریاست کا حق وصول کرنا چاہا تو ساہوکار کی بیوہ اہلیا بائی کے پاس شکایت لیکر مہیسر پہونچی۔ رانی نے بیوہ کو خلعت سے سرفراز فرمایا اور اوسکو خاوند کی جایداد کا مالک تسلیم کر لیا۔ ٹوکوجی کو حکم دیا کہ وہ اندور سے فاصلہ پر قیام کرے اور اس شہر کی رعایا کو نہ ستائے۔

(۲) سرونج[2] کا ایک مہاجن سُبھ کھیم داس مر گیا۔ ریاست کے عامل نے اُسکی بیوہ سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا اور جائداد ضبط کرنے کی دھمکی دی۔ متوفی کے رشتہ داروں نے بیوہ کو ایک لڑکا گود لینے کی صلاح دی لیکن عامل اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ بیوہ اہلیا بائی کے پاس پہونچی تو رانی نے اُسکو ایک دن بھی لیت و لعل میں نہ رکھا۔ بیوہ کو گود لینے کی اجازت دی۔ اُس کے متبنے لڑکے کو اپنے زانو پر بٹھا کر خلعت، جواہر اور پالکی سے سرفراز فرمایا۔ اور سرونج کے عامل کو تبدیل کر دیا۔

(۳) اہلیا بائی نے تلبشی کی پتی ہاتھ میں لیکر ہولکر کا کل خزانہ نیک کاموں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اُس نے تمام علاقہ میں دھرم سالے اور کنوئیں تعمیر کرائے۔ جگناتھ، دوارکا، کیدار ناتھ اور رامیشورم تک جاتریوں کے آرام کے لیے اُس نے عمارتیں بنوائیں۔ اور ہر سال خیرات کے لیے تمام مقدس مقامات پر کثیر رقمیں بھیجا کرتی تھیں۔

(۴) گرمیوں کے موسم میں اہلیا بائی کے ملازم سڑکوں پر مسافروں کو پانی پلانے کے لیے تعینات رہتے تھے اور جاڑوں میں اُسکی سرکار سے محتاجوں کو لباس تقسیم ہوتا تھا جنگلی جانوروں

[1] میجر جنرل سرجان ملکم۔ ملاحظہ ہو انکی یادداشت بابت مالوہ۔ مطبوعہ ۱۸۲۳ء جلد اول

[2] اُس زمانہ میں حکام کی عزت برقرار رکھنے کا شاید خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ اور رعایا کی دلجوئی سرکاری ملازموں کا دبدبہ قائم رکھنے سے ضروری سمجھی جاتی تھی!!!

چڑیوں، اور مچھلیوں کی خوراک بھی اُسکے خزانہ سے مقرر تھی۔ مہیسر کے قریب کاشتکاروں کے بیل دوپہر کے وقت تھوڑی دیر کے لیے ہل چلانے سے روک دیے جاتے تھے اور رانی کی طرف سے ان جفاکش جانوروں کو پانی پلایا جاتا تھا۔ اُس نے بہت سے کھیت خرید کرکے چڑیوں کی خوراک کے لیے وقف کر دیے تھے۔ اور کہا کرتی تھی کہ کسان پرندوں کو اپنے کھیت سے بھگاتے ہیں اُن کا پیٹ بھرنے کے لیے ان کھیتوں کی پیداوار نذر کی جاتی ہے۔

اہلیا بائی کا قد میانہ اور جسم اکہرا تھا۔ وہ خوبصورت تو نہ تھی لیکن چہرہ پر عبادت و ریاضت کا نور برستا تھا۔ وہ بہت خوش مزاج تھی اور اُسکو غصہ بڑی مشکل سے آتا تھا۔ ضرورت کے موافق لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ لیکن اُس کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ باوجود بیس سال کی عمر میں بیوہ ہو جانے کے اُس کی عصمت پر کبھی کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا گیا۔ شوہر کے مرنے کے بعد اُس نے رنگین لباس چھوڑ دیا تھا اور ایک ہلکی ہنسلی کے سوا کوئی زیور اُسکے بدن پر نظر نہ آتا تھا۔ اُسکو خوشامد بہت ناپسند تھی۔ ایک برہمن نے اُس کی تعریف میں ایک کتاب لکھ کر سنائی تو اُس نے کہا کہ وہ بہت کمزور اور گنہگار عورت ہے اور ان تعریفوں کی مستحق نہیں۔ مصنف کو کچھ انعام نہیں دیا اور اُسکی کتاب محل کے جھروکہ سے نربدا میں پھینکدی!!

زندگی کے آخری حصہ میں اس شریف رانی کو ایک سخت صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ اُسکا لڑکا ملی راؤ تو پہلے ہی مجنون ہو کر مر چکا تھا اب اُسکی لڑکی مکتا بائی بھی بیوہ ہو گئی۔ اس لڑکی کی شادی جسونت راؤ پھونسیا سے ہوئی تھی۔ اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو جوان ہو کر مر گیا بیٹے سے سال بھر بعد شوہر بھی رخصت ہوا تو مکتا بائی نے اپنے خاوند کے ساتھ ستی ہونے کا ارادہ کیا۔ اہلیا بائی مزاحم ہوئی اور بہت درد سے سمجھایا کہ بوڑھی ماں کو دنیا میں بے یار و مددگار نہ چھوڑے مگر مکتا بائی نے جواب دیا کہ "ماں! تم بوڑھی ہو گئی ہو اور تمہاری عبادت کی زندگی چند سال میں ختم ہو جائے گی۔ میرا لڑکا اور خاوند دونوں گزر گئے۔ جب تم بھی چلی جاؤگی تو میں دنیا میں کس کے سہارے پر جیونگی؟ اور اُسوقت ایسی عزت کی موت نصیب نہ ہوسکے گی جیسی کہ آج ممکن ہے" اہلیا بائی لاجواب ہوئی اور اُس نے قصد کیا کہ بیٹی کی چتا اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ وہ جلوس کے ساتھ مرگھٹ تک گئی اور چتا سے کسی قدر فاصلہ پر خاموش کھڑی رہی لیکن احتیاطاً دو برہمن اُسکے ہاتھوں کو تھامے تھے تاکہ وہ خودکشی نہ کر سکے۔

جب آگ کا پہلا شعلہ بلند ہوا اور جان سے زیادہ عزیز بیٹی کا جسم جسکو اپنی گود میں پال کر جوان

کیا تھا جھلسنا شروع ہوا تو مصیبت زدہ ماں بے قابو ہوگئی اور چیخیں مارنے لگی۔ اُسکے دونوں ہاتھ برہمنوں کے قابو میں تھے ورنہ چتا میں کود پڑتی!! اپنے ہاتھوں کو چھڑا نہ سکتی تھی لیکن غصہ اور رنج سے کئی بار کاٹ کھایا!! جب چتا سرد ہوگئی تو رانی نے ندی میں غسل کیا اور محل کو واپس گئی۔ اگرچہ غم اُسکو کبھی فراموش نہ ہوسکا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دنیا سے رخصت ہوگئی۔ اُسکی زندگی ہندوستان کی تاریخ میں عورتوں کی انتظامی قابلیت کی ایک عجیب و غریب تصویر ہے۔ وہ خود پسندی اور غرور سے بیگانہ تھی۔ مذہب کی پابند تھی مگر تعصب نہ رکھتی تھی۔ خود مختار حاکم تھی لیکن عاجزی اور فروتنی اُس کا معمول تھا۔ تمام بد اعمالیوں سے پاک تھی لیکن دوسروں کی لغزشیں معاف کرنے کو ہر وقت تیار رہتی تھی۔ اور تمام ہندوستان میں اُس وقت کوئی فرمانروا اُس سے بہتر موجود نہ تھا۔ ملک کے اندرونی انتظامات اور رانی کے ذاتی خصائل تو بیان ہوچکے اب اُسکے بیرونی تعلقات کی داستان سننا چاہیے۔ اُسکے عہد میں ہولکر کی فوج نے جو ناموری حاصل کی وہ جس طرح تُکوجی کی شجاعت کا ثمرہ تھی اُسی طرح اہلیا بائی کی تدبیر و جہاں کشی کا نتیجہ تھی۔ لشکر کا مہیا کرنا اور اسکو بہترین آلاتِ جنگ[ۃ] سے مسلح بنانا اہلیا بائی کا کام تھا۔ اور میدان میں مصلحت و دانشمندی سے اُنکو لڑانا

ۃ ریاست اندور کے پُرانے کاغذوں میں ایک اقرارنامہ دستیاب ہوا ہے جو اہلیا بائی نے ایک امریکن مسٹر بوائڈ سے کیا تھا اور جسکی رو سے جدید طرز کی قواعد داں فوج مرتب کی تھی۔ یہ اقرارنامہ ۱۷۹۳ء میں ہوا تھا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت ایک ہزار سپاہیوں پر کس قدر خرچ پڑتا تھا:۔

۱	خاصہ سردار	۲۰۰۰	ماہوار	
۱	کپتان	۳۰۰	"	
۵	لفٹنٹ	۱۵۰	"	فی کس
۹	سرجنٹ میجر	۶۵	"	
۹	سرجنٹ	۶۵	"	فی کس
۱	کاندان (مدرسی)	۶۰	"	
۱	صوبہ دار	۴۰	"	فی کس
۱۰	جمعدار	۲۰	"	"
۴۰	حوالدار	۱۲	ماہوار	فی کس
۴۰	نائک	۸	"	"
۱۱	تنبورچی	۸	"	"
۱۰	بانسری والے	۹	"	"
۸۴۱	سپاہی	۶	"	"
۲	کارکن	۳۰	"	"
۵	ہرکارے	۵	"	"
۱۰	بھشتی	۴	"	"
۵	بیلچی	۵	"	"

کل میزان ۱۰۰۱ ملازم اور ماہواری خرچ ۱۰۳۳۶ ---

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ٹوکوجی کی خدمت تھی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اہلیا بائی نے اپنے انتخاب کیے ہوئے سپہ سالار کو پیشوا سے خلعت حاصل کرنے کے لیے پونا بھیجا تھا۔ مگر وہاں مراحم خسروانہ سے سرفراز ہونے کے بعد قیام کی کچھ ہی دن نوبت آئی تھی کہ اُسکو ہندوستان جانا پڑا۔ مرہٹوں کی فوجی قوت اب کسی قدر سنبھل گئی تھی اور شمال کے مسلمانوں سے جنگ پانی پت کا عوض لینے کی آگ اُنکے سینوں میں بھڑک رہی تھی۔ بیس ہزار سواروں کی ایک منتخب فوج بخشی رامچندر کی ماتحتی میں ۱۷۶۹ء کے دسہرہ کے بعد پونا سے روانہ ہوئی۔ مہادا جی سندھیا (جسکو پانی پت کی شکست نے لنگڑا کر دیا تھا) اور ٹوکوجی ہولکر پندرہ پندرہ ہزار سوار ساتھ لیکر ہمرکاب ہوئے۔ انکے علاوہ لٹیروں کی ایک جماعت ہمراہ تھی۔ جس میں عرب۔ حبشی۔ اور دوآبہ کے پٹھان اور بعض ہندو بھی شامل تھے۔

یہ عظیم الشان لشکر پہلے راجپوتانہ میں داخل ہوا اور وہاں سے دس لاکھ روپیہ "بقایا خراج" کے نام سے وصول کیا۔ اور پھر بھرت پور کے علاقہ[۱] میں پہونچے اور وہاں سورج مل جاٹ کے لڑکے کو شکست دے کر ۶۵ لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ کے وصول کیا۔ یہاں سے نجیب آباد پر دھاوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ) علاوہ اس ماہواری خرچ کے ریاست کو اس پلٹن کے لیے حسب ذیل سامان مہیا کرنا لازم تھا:

۹۴۱	بندوقیں مع سنگین	بحساب ۱۲ روپیہ	فی عدد	۹۴۱	کمربند	بحساب ۸ر	فی عدد
۹۴۱	کرتے	۴	,,	,,	توڑے	عہر	,,
۹۴۱	پگڑی	عہر	,,	,,	پائجامے	۸ر	,,

اس خرچ کی میزان ۴-۱۸۱۱۴ ہوتی ہے۔ یعنی ۱۰۰۰ سپاہی کی پلٹن پر تقریباً ۱۸۰۰۰ یکمشت اور ۳۶۱۱ ماہوار خرچ ہوتا تھا۔ اہلیا بائی نے اس طرح کی چھ پلٹنیں بنائی تھیں اور ان کے سردار یورپ کے قواعد داں ملازم رکھے تھے۔

[۱] مرہٹے سورج مل کے بہت ممنون تھے۔ کیونکہ پانی پت کی شکست کے بعد اُس نے بھاگے ہوئے دکھنیوں کو کپڑے اور خوراک سے مدد کی تھی۔ جب دہلی کے وزیر نے جاٹوں کو زیر کرنے کے لیے ۱۷۶۳ء میں سورج مل کو شکست دیکر قتل کر دیا تو ملہرراؤ ہولکر سورج مل کے لڑکے کی مدد کے لیے ۱۷۶۵ء میں ہندوستان آیا تھا اور دہلی کے محاصرہ میں شریک تھا مگر بعد کو نجیب الدولہ کی خاطر سے اُس نے جاٹوں کی اعانت چھوڑ دی اور دکن واپس گیا۔ اُسکی واپسی کے بعد سورج مل کے لڑکوں میں باہم جھگڑا ہوا اور ۱۷۷۰ء میں مرہٹے اُس جھگڑے کے تصفیہ کے لیے بھرت پور آئے تھے ورنہ جاٹوں سے کوئی مخالفت نہ تھی۔ یہاں اتفاق سے جنگ ہو گئی اور اسکے تاوان میں ۶۵ لاکھ روپیہ لینا پڑا۔ لیکن اس میں سے صرف ۱۰ لاکھ نقد لیا گیا اور بقیہ کی قسطیں مقرر کر دی گئیں!!!

کرنے کی نیت تھی مگر برسات شروع ہو گئی اور موسم بارش ختم ہونے کے انتظار میں بمقام ڈیگ خیمہ زن ہونا پڑا ڈوکوجی کو ملہر راؤ اور نجیب الدولہ کے قدیم دوستانہ تعلقات معلوم تھے اور وہ اپنے آقا کے دوست کو بربادی سے بچانا چاہتا تھا۔ اُس نے نجیب الدولہ سے خط کتابت شروع کی تاکہ پٹھانوں کا حقِ دوستی ادا ہو اور پیشوا کی حکومت کو یہ نفع پہونچے کہ نجیب الدولہ کی معرفت ہندوستان کا جائز بادشاہ شاہ عالم جو اُس وقت الہ آباد کے قلعہ میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی پناہ میں ہے اپنے دار السلطنت کو واپس بلایا جائے اور وہ پیشوا کو ہندوستان میں وسیع اختیارات عطا کرے۔

راجیندر گنیش، اور مہادیجی سندھیا نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ سندھیا نے کہا کہ "میں پیشوا کے لیے روہیلکھنڈ اور افغانوں کا ملک بزورِ شمشیر حاصل کرنا چاہتا ہوں، مجھ کو اپنے بھائی بھتیجوں کے خون کا عوض لینا ہے جو پانی پت میں مارے گئے اور اپنی ٹانگ کا بھی بدلہ لینا ہے جو ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گئی۔ ڈوکوجی ان امراء سے بھائی بندی کریں لیکن میں انتقام کا خیال دل سے نہیں نکال سکتا۔ بہتر ہے کہ اس معاملہ کی اطلاع پیشوا کو کی جائے اور اگر وہ ڈوکوجی کی رائے سے اتفاق کرے تب میں بھی منظور کر لوں گا"۔

پیشوا کے پاس قاصد بھیجے گئے اور وہاں سے جواب آیا کہ نجیب الدولہ مرہٹوں کا دوست کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ ہے مگر شاہ عالم کا الہ آباد سے واپس بلانا ضروری ہے اور اس کوشش میں نجیب الدولہ کی مدد سے آسانی ہو گی لہذا روہیلوں سے صلح کر لی جائے۔

درحقیقت مادھوجی کی رائے غلط تھی۔ اس وقت نجیب الدولہ پر سختی کی جاتی تو نجیب آباد بھی پانی پت کی طرح مشہور ہو جاتا۔ بہر حال پیشوا کے تصفیہ پر عمل کیا گیا اور روہیلوں کا پیامِ صلح منظور ہوا۔

نجیب الدولہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اُسکو زندگی کی کم اُمید باقی تھی۔ صلح کے بعد وہ خود مرہٹوں کے لشکر میں آیا۔ سندھیا سے بھی صفائی کی کوشش کی۔ اور اپنے لڑکے ضابطہ خاں کا ہاتھ ڈوکوجی کے ہاتھ میں دیکر دونوں خاندانوں کے موروثی تعلقات آیندہ نسل میں قائم رکھنے کی کوشش کی۔ بوڑھا باپ جانتا تھا کہ لڑکے میں حکومت سنبھالنے کی لیاقت نہیں ہے۔ اسکی آنکھیں بند ہونے کے بعد روہیلوں پر مصیبتوں کا ہجوم ہو گا اور اُس نازک وقت کے لیے ڈوکوجی سے بہتر کوئی رفیق نہیں ہے۔ مرہٹہ سردار نے نہایت خندہ پیشانی سے ضابطہ خاں کی امداد کا وعدہ کیا اور اپنے امکان بھر تمام عمر اس قول پر قائم رہا۔

نجیب الدولہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مر گیا[1] اور ضابطہ خاں نے دوآبہ اور روہیلکھنڈ کی آبائی اضلاع پر قبضہ کر لیا - وہ باپ کی جگہ دہلی پر بھی متصرف ہوا - اور کہا جاتا ہے کہ قلعہ شاہی کی بعض بیگمات سے شرمناک تعلقات پیدا کیے - ڈوکوجی نے اپنے قدیم منصوبوں پر عمل شروع کیا اور شاہ عالم سے دہلی واپس آنے کے لیے نامہ و پیام کا سلسلہ جاری ہوا -

یہ ایک دردناک داستان ہے کہ اکبر و جہانگیر کا وارث شاہ عالم جو شجاع الدولہ کی پناہ اور انگریزی فوج کی حفاظت میں الہ آباد و کوڑہ پر برائے نام حاکم تھا اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں کی نازک مزاجی سے ایسا عاجز آ گیا تھا کہ اُس کو شاہی نوبت خانہ اس قصور پر بند کرنا پڑا کہ انگریزی کمانڈر کے خوابِ استراحت میں شہنائی کی آواز سے خلل پڑتا تھا !!

اللہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت !! یہ وہی شہنائی تھی جس کی بابت دو سو برس پہلے برنیر نے لکھا تھا کہ " یہ موثر موسیقی دل و دماغ پر ہیبت طاری کرتی ہے " جب اکبر و جہانگیر کے بیٹے بے اختیار شہنشاہ رہ گئے تو شہنائی ایسی ذلیل ہوئی کہ سوداگروں کے فوجی افسر کو اُس کی آواز ناگوار معلوم ہونے لگی !!![2]

بعض مورخ شاہ عالم پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ شجاع الدولہ کی پناہ چھوڑ کر الہ آباد سے کیوں چلا گیا ؟ مگر اُس وقت اُن کو فراموش ہو جاتا ہے کہ الہ آباد میں اُسکو کیا چین نصیب تھا جسکے چھوڑنے کا وہ قلق کرتا اور ڈوکوجی کے نامہ و پیام کو خداوندی مدد نہ شمار کرتا !!

بہر حال شاہ عالم نے مرہٹوں کی حمایت کو اپنے قدیم ہوا خواہوں کی محبت پر ترجیح دی اور مرہٹوں کو بطور معاوضہ خدمت دس لاکھ روپیہ دینے کا اقرار کر کے الہ آباد سے دوآبہ کی طرف راہی ہوا - ۱۷۷۱ء کے موسم بارش میں وہ فرخ آباد کے قریب پہونچ چکا تھا کہ سندھیا اپنے منتخب سواروں کے ساتھ اُسکے استقبال کو گیا - اور ۲۵ - دسمبر کو شاہ عالم دوبارہ دہلی میں داخل ہوا - ضابطہ خاں پہلے ہی یہاں سے فرار ہو گیا تھا اور دہلی میں مرہٹوں کی فوج امن قائم رکھنے کے لیے مقیم تھی -

ڈوکوجی نے ضابطہ خاں کو دہلی بلا کر عفوِ تقصیر کے لیے بادشاہ کے سامنے پیش کرنا چاہا مگر وہ بد نصیب محلات شاہی میں (گمان کیا جاتا ہے کہ) ایسی بد عنوانیاں کر چکا تھا کہ اُس کو منہ دکھانے کی

---

[1] نجیب الدولہ اکتوبر ۱۷۷۰ء میں مرا -

[2] یہ واقعہ متعدد تاریخوں میں درج ہے مگر اس مقام پر ایک انگریزی کتاب کی سند لکھنا مناسب ہے ملاحظہ ہو ایچ جی کین سی آئی ای کی " مادھو راؤ سندھیا " مطبوعہ ۱۸۹۱ء - صفحہ ۵۷ -

ہمت نہ ہوئی اور نجیب آباد کے پاس اپنے قلعہ پتھر گڈھ میں بیٹھا رہا۔ جب تُکوجی کے بُلانے سے بھی ضابطہ خاں دہلی نہ آیا تو سندھیا کو روہیلوں سے اپنا عوض لینے کا موقع ملا اُس نے وقت مناسب سمجھ کر شاہ عالم کو ساتھ لیا اور روہیلوں پر چڑھائی کر دی۔ شجاع الدولہ مدت سے روہیلوں کے تباہ کرنے کی فکر میں تھا۔ اُس نے ضابطہ خاں کو مدد نہ پہونچنے دی۔ اور بہادر نجیب الدولہ کا بدقسمت لڑکا ایسا بدحواس و سراسیمہ ہوکر بھاگا کہ اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ نہ لے جا سکا۔ مرہٹوں نے پتھر گڈھ پر (جسکے کھنڈر آج تک سیاحوں کو رُلاتے ہیں) قبضہ کر لیا اور بے شمار دولت اُن کے ہاتھ آئی۔

سندھیا نے اپنی ٹانگ کے معاوضہ میں ضابطہ خاں کے لڑکے غلام قادر کو زنانہ بنوایا اور مشہور یہ کیا کہ باپ نے محلات شاہی میں جو گستاخیاں کی تھیں انکی سزا میں بیٹے کو یہ ڈنڈ دیا جاتا ہے!!

المختصر سندھیا اپنا جوش غضب ٹھنڈا کرکے راجپوتانہ کی طرف چلا گیا اور ہولکر کو پھر ضابطہ خاں کی طرفداری کا موقع ملا۔ اُس نے شاہ عالم کے وزیر مرزا نجف خاں کو زک دیکر ضابطہ خاں کو پھر امیر الامرا بنایا۔ پیشوا کو سلطنت دہلی کی سپہ سالاری کا اعزازی عہدہ اور دوآبہ کا جنوبی علاقہ دسمبر ۱۷۷۱ء میں دیا گیا۔ لیکن یہ معاملات ابھی طے نہ ہو پائے تھے کہ پونا سے پیشوا مادھوراؤ[1] کے موت کی خبر آئی اور چند ہی مہینے کے بعد اُس کا نابالغ بھائی نرائن راؤ[2] بھی قتل کر دیا گیا۔ پونا میں خانہ جنگی کا اندیشہ تھا اس لیے سب مرہٹہ سردار دہلی کو اُس کے حال پر چھوڑ کر گھر کی خبر لینے چلے۔

نرائن راؤ کو قتل کرکے رگھوبا خود منصب پیشوائی پر قابض ہونا چاہتا تھا لیکن اُس کی بدنصیبی ساتھ تھی۔ مادھوراؤ کی حاملہ بیوی ایک پہاڑی قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئی تھی۔ وہاں اُسکے ایک بچہ پیدا ہوا جسکو پونا کے اراکین دربار نے پیشوا بنانا چاہا۔ رگھوبا وزیروں کی اس دلیری سے بہت ناخوش ہوا اور اُنکو سزا دینے کی نیت کی۔ لیکن فوج کے بیشتر حصہ نے رگھوبا سے مخالفت کی اور پونا کے قریب شکست پاکر وہ شمال کی طرف بھاگا۔ اور اُس وقت اندور پہونچا جبکہ سندھیا اور ہولکر نے ہندوستان سے واپس آکر وہاں اپنے خیمے گاڑ دیے تھے۔

دونوں معزز سرداروں نے رگھوبا کی داستان غم سُن کر اُس کی مدد کا وعدہ کیا اور گجرات کی طرف بڑھے تاکہ وہاں کے راجہ گیکوار کو بھی سازش میں شریک کریں۔ بمبئی میں انگریزوں کی ایک

---

[1] مادھوراؤ ۱۸ نومبر ۱۷۷۲ء کو ۲۸ سال کی عمر میں بعارضہ دق فوت ہوا۔

[2] نرائن راؤ ۳۰۔ اگست ۱۷۷۳ء کو قتل کیا گیا۔

تجارتی کمپنی تھی جو قانوناً بنگال کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے احکام کی تابع تھی لیکن وہ اپنی حفاظت کیلئے کچھ قاعدہ دان فوج مہیا رکھتی تھی اور دیگر کمپنیوں کے مقبوضات کو جو اُسکے ارد گرد واقع تھے رشک و حسد سے دیکھا کرتی تھی۔ کلکتہ کی کمپنی کی طرح اسکو بھی اپنا رقبۂ حکومت بڑھانے کی ہوس تھی مگر مرہٹوں کی دھاک نے ابھی تک اُسکو پاؤں پھیلانے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پونا کے اراکین حکومت میں بگاڑ ہوا تو اس کمپنی کی بھی تقدیر جاگی۔ رگھوبا پورتگیز کے مقبوضات سالسٹ و بسین اس جماعت کو دلانے کا وعدہ کرکے پندرہ سو سپاہیوں کی مدد اُن سے بھی حاصل کرلی لیکن قبل اسکے کہ یہ اتحادی کوئی نمایاں خدمت کرسکیں اہلیا بائی نے مداخلت کی اور مادھوراؤ کی بیوہ اور تیمیم بچہ پر ترس کھاکر اپنے سپہ سالار تکوجی کو رگھوبا کا ساتھ دینے سے منع کردیا۔ سندھیا نے بھی تقلید کی۔ اور یہ دونوں سردار رگھوبا کی اعانت سے کنارہ کش ہوگئے۔

انگریزی امداد کے بھروسہ پر رگھوبا پونا کے وزیروں سے ٹکر لڑا اور سخت نقصان اُٹھاکر دسمبر ۱۷۷۴ء میں "سورت" پہونچا۔ دوستوں نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سالسٹ و بسین کے علاوہ ایک اور زرخیز علاقہ کا وعدہ لے کر تین ہزار سپاہیوں سے مدد کی اور رگھوبا کو دوبارہ شمشیر پیشوا بنانے کے لیے پونا پر چڑھائی کردی۔

وزیروں نے اس نئے لشکر سے بھی مقابلہ کیا۔ اور اس "کے مقام پر سخت لڑائی ہوئی جس میں انگریز مورخ نمایاں شکست کے بعد اپنی فتح بتاتے ہیں۔ ۲۲ دن کے بعد بھاؤ ہر کے مقام پر پھر سامنا ہوا مگر مرہٹے اپنی توپیں دریا میں پھینک کر پسپا ہوگئے اور رگھوبا کو مالِ غنیمت میں ایک ہاتھی اور چند اونٹ ملے!!

اس عرصہ میں کلکتہ کی صدر کمپنی کی طرف سے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے اپنا سفیر پونا بھیجا اور وزیروں سے صلح کرنا چاہی۔ اراکین دربار نے شرط لگائی کہ رگھوبا اُنکے حوالے کردیا جائے اور جو علاقہ انگریزوں کو اُس نے دیا ہے واپس کیا جائے۔ ان شرائط کا ایک حصہ منظور ہوا۔ اور رگھوبا کی اعانت ترک کرنے کا اقرار کیا گیا۔ صلحنامہ پر دستخط ہوگئے جو "عہدنامہ پوردھر" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن رگھوبا اس معاملہ میں کوئی فریق نہ تھا۔ اُس نے صلح قبول نہ کی اور اپنے دوستوں کے پاس بمبئی پہونچا جہاں اُس کی آؤبھگت کی گئی۔ اور نومبر ۱۷۷۶ء میں دس ہزار

سلہ ملاحظہ ہو گرانٹ ڈف کی تاریخ مرہٹہ جلد دوم صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۰۔ یہ تسلیم ہے کہ انگریزی سپاہی بہت بے قاعدہ بھاگے۔ کرنل کی اجازت کے بغیر فوج نے واپسی شروع کردی اور جھاڑیوں میں جاکر چھپی۔ جہاں دشمن نے موقع پاکر خوب قتل کیا۔ یہ بھی اقرار ہے کہ ۲۲۲ سپاہی قتل ہوئے جن میں ۸۶ یورپین اور ۱۱ افسر تھے لیکن فتح انگریزوں ہی کو نصیب ہوئی کیونکہ مرہٹے اتنے آدمی مار کر واپس ہٹ گئے!!!

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے ٭ پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے!!!

اس کی پنشن مقرر ہوئی۔

ادھر پونا کے ارکین میں باہم پھوٹ پڑی۔ پہلے تو پنڈت سکھارام باپو اور بالاجی جنار دین (جو انگریزی تاریخوں میں نانا فرنویس کے نام سے مشہور ہے) متفق تھے مگر اب اُن میں بگاڑ ہو گیا۔ پونا کے حلقۂ وزرا میں یہی دونوں سردار سب سے زیادہ قابل تھے اور انکی باہمی تکرار ریاست کی تباہی کا سبب ہوئی۔

کہتے ہیں کہ پیشوا کی ماں گنگا بائی نانا فرنویس سے محبت رکھتی تھی اس لیے نانا کا پایہ زبردست سمجھ کر سندھیا نے اُس کا ساتھ دیا اور تُکوجی نے سکھارام کی مدد کی۔ بمبئی کی کمپنی نے ان سرداروں کی مخالفت میں اپنا نفع دیکھ کر پھر رگھوبا کو پیشوا بنانے کی کوشش شروع کی۔ چار ہزار انگریزی فوج کی مدد سے رگھوبا پونا کی طرف چلا۔ تُکوجی نے اس نازک وقت پر نانا کا ساتھ دیا اور ۹۔ جنوری ۱۷۷۹ء کو طالع گاؤں کے مقام پر رگھوبا کو ایسی زک پہونچی کہ وہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکا۔ انگریزی فوج کا سردار بیمار پڑا۔ سپاہی بد دل ہوئے۔ سامان رسد جلا دیا گیا۔ توپیں تالابوں میں پھینک دی گئیں۔ اور پونا سے ایک جدید صلحنامہ ہوا جسکے شرائط یہ تھے کہ رگھوبا انگریزوں کی حمایت سے الگ کر دیا جائے، جو علاقہ انگریزوں نے حاصل کر لیا ہے واپس کیا جائے اور "بروچ" کا پرگنہ سندھیا کو دیا جائے۔

بمبئی کی شکست خوردہ فوج نے یہ عہد و پیمان کیے۔ پونا کا دربار مطمئن ہو گیا لیکن کلکتہ کی انگریزی فوج نے وسط ہند پر حملہ کر دیا اور بندیلکھنڈ کے سرداروں کو شکست دی اور سورت تک پہونچ گئی۔ پونا کے ارکین سے ایک جدید صلحنامہ کے لیے سلسلہ جنبانی ہوئی۔ سندھیا نے دربار پونا پر اپنا قابو رکھنے کے لیے قوم کا ساتھ چھوڑ دیا اور انگریزوں سے جداگانہ صلح کرنا چاہی۔ اُسکی کم ہمتی سے دوسروں نے فائدہ اُٹھایا۔ انگریزی فوج نے دارالسلطنت احمد آباد پر قبضہ کر لیا اور گوالیار کا قلعہ جو ناقابل فتح خیال کیا جاتا تھا مسخر کر لیا۔

اب سندھیا کو ہوش آیا کہ اُدھر تو ہندوستان کا راستہ بند ہوا جاتا ہے اور ادھر پیشوا کی حکومت تباہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی فوج لیکر انگریزوں سے مقابلہ کو بڑھا۔ مگر اُسکا خیمہ رخرگاہ لٹ گیا۔ ہاتھی گھوڑے چھن گئے اور مجبور ہو کر اُسنے انگریزوں سے صلح کی جسکی ایک شرط یہ تھی کہ وہ دربار پونا سے بھی لڑائی بند کرا دے گا۔ آخرکار سندھیا کے اثر سے ۱۷۔ مارچ ۱۷۸۲ء کو سلبائی کے صلحنامہ پر فریقین کے دستخط ہوئے۔ طالع گاؤں کا صلحنامہ منسوخ اور پورن دھر کا عہدنامہ بحال

کیا گیا۔ سالسٹ وغیرہ جزائر ہمیشہ کے لیے بمبئی کی کمپنی کو مل گئے۔ اور مرہٹوں کی سلطنت میں "ایسٹ انڈیا کمپنی" کو مداخلت کا حق حاصل ہو گیا۔

اب مادھوراؤ کا نابالغ لڑکا پیشوا تسلیم کر لیا گیا۔ انتظام حکومت نانا فرنویس کے سپرد ہوا۔ اور رگھوبا کی پنشن[1] مقرر کر دی گئی۔ سندھیا ہندوستان واپس گیا لیکن ہولکر کو پونا کے دربار نے دکن کی خدمات کے لیے روک لیا۔

مرہٹوں نے میسور کے حاکم ٹیپو سلطان سے لڑائی شروع کی اور اس جنگ میں ٹوکوجی نے بہت شجاعت و جوانمردی دکھائی۔ اس مظلوم ریاست کی دردناک داستان بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں البتہ ٹوکوجی کی اظہار قابلیت کے لیے اس قدر اشارہ کافی ہے کہ "کٹور" کے ضلع سے ٹیپو کو خارج کرنا "ساوانور" کے محفوظ قلعہ پر تصرف کرنا اور ۱۷۹۲ء میں ۴۵ لاکھ روپیہ اور کچھ علاقہ لیکر مرہٹوں کی عظمت ٹیپو کے دل میں نقش کرانا ہولکر ہی کا کام تھا۔

غرض بارہ برس دکن میں مصروف رہنے کے بعد میسور کی لڑائی کا خاتمہ کر کے ٹوکوجی اہلیا بائی کی خدمت میں واپس گیا مگر مہیسر میں چند ہی روز قیام کی نوبت آئی تھی کہ اُسکو باجی راؤ پیشوا کے لڑکے علی بہادر کی مدد کے لیے بندیلکھنڈ جانا پڑا۔ یہ لڑکا ایک مسلمان عورت سے پیدا ہوا تھا اور ماں کے مذہب پر تھا لیکن پونا کے اراکین حکومت کو اسکی خاطر عزیز تھی۔ ٹوکوجی کو اُسکی امداد و اعانت کا حکم دیا گیا اور وفادار سپہ سالار نے اپنی ہمت و بہادری سے اس لڑکے کو "باندہ کا نواب" بنا دیا۔ جہاں اُسکی اولاد غدر ۱۸۵۷ء تک مسند نشین اور حاکم با اختیار رہی۔

اس مہم سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ ٹوکوجی کو سندھیا کی مدد کرنے ہندوستان جانے کا حکم دیا گیا۔ وہاں اس عرصہ میں ضابطہ خاں کا ناقابل لڑکا غلام قادر نہایت ظلم و ستم برپا کر چکا تھا۔ شاہ عالم کو نابینا بنا کر اور اپنے ساتھ کل روہیلوں کی تباہی کرا کے ہندوستان کے سیاہ و سفید کا اختیار مادھوجی سندھیا کے ہاتھ میں پہونچ چکا تھا۔ یہ حسرت خیز کہانی ہندوستان کی تاریخ میں خون کے حرفوں سے لکھی ہوئی ہے اور اس مختصر مضمون میں اُسکے دوہرانے کی قلم کو ہمت نہیں !!

اس تباہی کے زمانہ میں ہولکر کے خاندان نے ہندوستان سے بے تعلقی اختیار کر رکھی تھی۔ اور غلام قادر کے مظالم کے وقت ٹوکوجی دکن کی مہمات میں مصروف تھا جب سندھیا کے اصرار سے

[1] اس صلح نامہ کے بعد رگھوبا نے دریائے گوداوری کے کنارے کوپرگانوں کے مقام پر سکونت اختیار کی مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فوت ہو گیا اور اس کی بدنصیبیوں کا سایہ اُسکے لڑکے باجی راؤ پر آ گیا۔

پیشوا نے ٹوکوجی کو دوبارہ ہندوستان جانے پر مجبور کیا تو مادھوجی کی طاقت اس قدر بڑھ چلی تھی کہ ہولکر اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور نہ اُس کا زور توڑ سکتا تھا۔ وہ پیشوا کے حکم سے ہندوستان گیا اور شروع شروع میں سندھیا کی اعانت بھی کی۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ دہلی کے معاملات میں دست اندازی سے مرہٹوں کا قومی فائدہ نہیں ہو سکتا ہے تو اُس نے درپردہ سندھیا کی مخالفت شروع کی اور اپنی حکمت عملی سے مادھاجی کو (جسکی تعریف میں بعض انگریز مورخ بہت رطب اللسان ہیں) ایسا عاجز کیا کہ اُس نے خود درخواست کی کہ ہولکر واپس بُلا لیا جائے!! پیشوا ابھی سندھیا کو ہندوستان میں آزاد رکھنا نہیں چاہتا تھا اسلیے ٹوکوجی کی واپسی کا حکم صادر نہ ہوا اور مجبور ہوکر سندھیا خود پونا کا عازم ہوا۔ وہ درحقیقت دہلی کا بادشاہ تھا۔ اُس نے شاہ عالم کی طرف سے پیشوا کو سلطنت کا وکیل مطلق مقرر کیا اور خلعت وکالت نذر کرنے کے بہانہ سے دکن گیا۔

مادھوجی کے ہٹنے کے بعد اُسکے سرداروں سے ہولکر کا کھُلم کھُلا لڑنا پڑا۔ اور لکھیری کے درہ پر سندھیا کے فرانسیسی افسروں نے دانت کھٹے کر دیے۔ اُسکی فوج کا سپہ سالار "ڈی بوائن" اپنی خود نوشتہ سوانحعمری میں تحریر کرتا ہے کہ "لکھیری سے زیادہ سخت لڑائی اُس نے کبھی نہیں دیکھی۔ ہولکر کے توپخانہ نے ایسی آگ برسائی کہ اُسکا جواب دینا ناممکن تھا اور اُسکے سواروں نے اس زور سے دھاوا کیا کہ سندھیا کی فوج کو جنگل میں پناہ لینا پڑی"۔ مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ کاشی راؤ اور باپو جی جن میں سے ایک ہولکر کا بیٹا تھا اور دوسرا بھتیجا تھا دشمنوں سے مل گئے اور انجام کار ٹوکوجی کے لشکر کو شکست ہوئی۔ وہ اپنی باقیماندہ فوج لیکر مالوہ کی طرف واپس ہوا اور بدنامی کا داغ مٹانے کے لیے سندھیا کے دارالسلطنت اُجین کو لوٹ لیا۔ کسی کو اُسکی بہادر فوج سے بدلہ لینے کی ہمت نہ پڑی اور وہ باطمینان مالوہ میں مقیم رہا۔ یہاں تک کہ چند مہینوں کے بعد پیشوا نے اُسکو نظام دکن سے لڑنے کے لیے بلایا۔ ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں کے صوبہ دار دکن سے لڑائی آخری موقع تھا کہ پیشوا کے جھنڈے پر کُل مرہٹے سردار جمع ہوں اور ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھا ہوکر ناموری حاصل کریں۔ لہذا اس جنگ کا کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا مناسب ہے۔

میسور کی ریاست تباہ کرنے اور سلطان ٹیپو کو زیر کرنے کے لیے انگریزوں کی کمپنی نے پیشوا اور نظام دکن سے اتحاد کیا تھا اور میسور کے خلاف پچھلی لڑائی میں مرہٹوں اور مغلوں کے سپاہی دوش بدوش لڑتے تھے اس وجہ سے کچھ دنوں کے لیے مرہٹوں کے حقوق "چوتھ" اور "سردیش مکھی" جو آصف جاہ کے وقت سے حیدرآباد میں معین تھے معرض التوا میں پڑ گئے تھے۔ مگر جب ٹیپو سے صلح ہوئی تو مرہٹوں

نے اپنے موروثی حقوق کا مطالبہ شروع کیا۔ اور کئی کرور روپیہ کا نظام سے مطالبہ کیا۔ کچھ عرصہ تک نامہ و پیام جاری رہے لیکن آخر کار نانا فرنویس کے پُر زور مراسلات سے عاجز آکر نظام کے وزیر مشیر الملک نے مرہٹوں کے وکیل کو جواب دیا کہ "حساب بہت پیچیدا ہے اسکے سمجھانے کے لیے نانا فرنویس کو خود یہاں آنا چاہیے"۔ وکیل نے عذر کیا کہ "نانا صاحب کے پاس کام کا بہت ہجوم ہے وہ یہاں کیسے آسکتے ہیں"۔ مشیر الملک نے غصہ میں کہ دیا کہ "میں تم کو دکھادوں گا کہ وہ یہاں کیونکر لائے جاسکتے ہیں"۔ یہی دھمکی اعلان جنگ سمجھی گئی۔ اور اگرچہ خط کتابت اسکے بعد بھی جاری رہی مگر فریقین نے جنگی تیاریاں شروع کردیں!

اب مادھوجی سندھیا[1] کا انتقال ہوچکا تھا اور اُسکے بھائی کا پوتا دولت راؤ جو سندھیا کی ریاست کا وارث ہوا نانا کی مٹھی میں تھا۔ تُکوجی ہمیشہ سے تابع فرمان تھا اور یہ دونوں سردار فوراً پونا پہونچ گئے۔ برار کا راجہ اپنی فوج لیکر پیشوا کی امانت کو آیا۔ بڑودہ کے گیکوار نے اپنی فوج خدمت کے لیے روانہ کی۔ ناگپور کا بھونسلا پندرہ ہزار سوار اور پیدل لایا۔ جنوب کے برہمن جاگیردار اور مانکری وغیرہ اپنی اپنی فوجیں لیکر جھنڈے کے نیچے جمع ہوے اور یکم جنوری ۱۷۹۵ء کو نوعمر پیشوا نانا فرنویس کی سرپرستی میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار سے زیادہ سوار اور پیدل لیکر پونا سے راہی ہوا۔ تُکوجی کے مشورہ کے مطابق پرسرام بھاؤ کُل فوج کا سپہ سالار بنایا گیا اور پانی پت کی شکست سے سبق لیکر بھاری اسباب ہر کوچ پر ایک منزل پیچھے چھوڑتے ہوے آگے بڑھے۔ بہترین سواروں کا ایک دستہ باقاعدہ پیدل اور ڈیڑھ سو توپوں کے ساتھ آگے روانہ کیا گیا اور دس ہزار پنڈاری لوٹ مار کے لیے ساتھ رکھے گئے۔ اُدھر سے نظام بھی ایک لاکھ دس ہزار جرار لیے ہوے مرہٹوں کی سرحد کی طرف آرہا تھا۔ پہری گھاٹ کے قریب پیشوا کی ایک دستۂ فوج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اور یہ رسالہ مغلوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر منتشر ہوگیا۔ دوسرے ہی روز صبح کو مرہٹوں کی پوری فوج داہنی طرف سے نمودار ہوئی۔ نظام نے اپنا ہاتھی روکا۔ خیمہ و خرگاہ بائیں طرف ہٹایا اور اپنے ایک سردار کو مرہٹوں کے مقابل کیا۔

پرسرام بھاؤ نے قلب لشکر میں اپنا مقام کیا اور پیشوا و ہولکر کی فوجیں اپنے ساتھ رکھیں۔ رگھوجی بھونسلا کو داہنے بازو پر اور دولت راؤ سندھیا کو بائیں طرف متعین کیا۔ مغلوں کے بلوچی رسالہ نے لڑائی شروع کی اور پرسرام کو گھوڑے سے گرادیا۔ سپہ سالار کی بمشکل جان بچی اور مرہٹوں کا

[1] مادھوجی سندھیا پونا کے قریب ۱۲ - فروری ۱۷۹۴ء کو فوت ہوا۔

ہراول لشکر سراسیمہ ہو کر بھاگا۔ مگر اس عرصہ میں مرہٹوں کے دونوں بازو قریب آگئے تھے۔ بھونسلا نے "بان" چلانا شروع کیے جو مرہٹوں کا آبائی آلۂ جنگ تھا اور جس میں بھونسلا کو خاص مہارت تھی توپوں نے بھی آگ برسائی اور چند منٹ میں لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا!! سوار بھاگے۔ اور پیادوں کو بھی خوفزدہ ہو کر جگہ چھوڑنا پڑی۔ نظام نے اپنے لشکر کو پیچھے کی طرف ہٹایا تاکہ "کردلا" کے محفوظ مقام پر پہونچ جائے مگر آفتاب غروب ہو گیا تھا اور ہر طرف تاریکی چھا رہی تھی۔ دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ اندھیرا ایسا سخت ہوا کہ کسی کو کچھ نہ سوجھتا تھا۔ دن بھر کی تھکی ہاری فوج لڑائی کو غیر مختتم چھوڑ کر میدان میں کمر کھول کر لیٹ گئی اور تجویز کیا کہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد پھر لڑائی ہوگی۔

خدا کی شان! مرہٹوں کا ایک دستہ پانی کی تلاش میں ایک چشمہ کے پاس گیا جہاں مغلوں کی کچھ فوج پڑی ہوئی تھی۔ مرہٹوں نے انکو دیکھ کر فیر کیے مغلوں نے جواب دیا۔ بندوقوں کی آواز سے سارے لشکر میں کھلبلی مچ گئی اور شبخون کے اندیشہ سے نظام کے قواعدداں سپاہی ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ جب چاند نکلا اور کسی قدر اُجالا ہوا تو نظام نے "کردلا" کے قلعہ میں پناہ لی لیکن اُس کی فوج کا بیشتر حصہ فرار ہو چکا تھا اور اپنے ہی خیمہ و خرگاہ لوٹ رہا تھا!!

جب صبح ہوئی اور مرہٹے دشمن سے مقابلہ کو آگے بڑھے تو میدان جنگ بندوقوں اور ذخائر جنگ سے پٹا ہوا تھا لیکن دشمن کا نشان نہ تھا۔ یہ خبر فوراً مشہور ہو گئی اور ہر طرف سے مرہٹے مغلوں کا سامان لوٹنے کے لیے آموجود ہوے۔ مال غنیمت کا انبار جمع کیا اور کردلا کی پہاڑی کے سامنے جہاں نظام محصور تھا قلعہ شکن توپیں لگادیں۔

نظام نے دو دن تک نہایت بہادری اور استقلال سے توپوں کی آگ برداشت کی لیکن جب وہ جگہ ناقابل قیام ہو گئی تو صلح کا پیام بھیجا۔ مرہٹوں نے پہلی شرط پیش کی کہ مشیر الملک جس نے نانا فرنویس کی توہین کی ہے اُنکے حوالہ کر دیا جائے۔ اور کچھ علاقہ مع تین کرور زر نقد کے بطور تاوان کے دیا جائے۔ نظام اُس وقت بے بس اور سب شرطیں قبول کرنے کو تیار تھا لیکن اپنے وزیر کو دشمنوں کے سپرد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وفادار وزیر اپنے آقا کی مصیبت دور کرنے کے لیے جان نذر کرنے کو آمادہ ہو گیا اور اپنی خوشی سے مرہٹوں کی قید میں جانا منظور کیا۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!!!

کہتے ہیں کہ جب مشیر الملک دو سو مرہٹوں کی حراست میں پیشوا کے کمپ کی طرف جا رہا تھا تو

نوجوان پیشوا راستہ ہی میں ملا۔ مشیر الملک کو گرفتار دیکھ کر نہایت متاسف ہوا اور اس نمک حلال وزیر کو عزت سے اپنے ساتھ لیگیا۔ مرہٹہ اس غیر متوقع فتح پر بہت ہی خوش تھے مگر بلند ہمت پیشوا اُداس تھا اور مشیر الملک کو دیکھکر اُسکے چہرہ پر اس قدر سخت حسرت کے آثار طاری ہوگئے تھے کہ نانا فرنویس کو اُسکے قلق کی وجہ دریافت کرنا پڑی۔

اولوالعزم پیشوا کا جواب سرخی سے لکھنے کے قابل ہے۔ اُس نے کہا کہ "ہندوستانی حکومتوں کی عظمت و شوکت کا خاتمہ ہوگیا اور ان کے دن پورے ہوچلے۔ مغلوں نے ایسی شرمناک صلح کی کہ اپنے وزیر کو بھی ہمارے حوالہ کردیا اور میرے ہم قوم اُس فتح پر خوشی منا رہے ہیں جس کے لیے اُنکو کوئی کوشش نہیں کرنا پڑی"!!

واقعی اس لڑائی میں فریقین کے دو سو آدمی بھی بمشکل قتل ہوئے تھے اگرچہ بعد کو رات کی تاریکی اور کردلا کے محاصرہ نے نظام کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ بہرحال اس فتح نے پانی پت کا غم غلط کردیا اور دکن کے علاقہ میں ایکبار پھر مرہٹوں کی عزت قائم کردی۔

جنگ سے فراغت کے بعد پیشوا، نانا فرنویس اور سندھیا و ہولکر وغیرہ پونا کو واپس ہوئے لیکن پیشوا نانا فرنویس کی سختیوں سے تنگ آگیا تھا وہ ۲۵۔ اکتوبر ۱۷۹۵ء کی صبح کو خودکشی کی نیت سے محل کے جھروکے سے کود پڑا اور دو دن کے بعد دنیا سے رخصت ہوگیا۔

مرنے سے قبل اُس نے وصیت کی تھی کہ اسکی جگہ رگھوبا کا لڑکا باجی راؤ مسند پر بٹھایا جائے لیکن نانا کو خوف ہوا کہ باجی راؤ حکومت پاکر اپنے باپ کا بدلہ لیگا۔ لہذا وصیت کا لحاظ نہ کرکے تکوجی وغیرہ سرداروں سے مشورہ کیا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ سابق پیشوا کی بیوہ جسودھا بائی کسی لڑکے کو گود لے اور اُس بچہ کی طرف سے نانا حکومت کا منتظم رہے۔ یہ صلاح دیکر تکوجی جنوری ۱۷۹۶ء میں پونا سے رخصت ہوا۔ کیونکہ مہیسر میں اہلیا بائی کا انتقال ہوچکا تھا اور ہولکر کا فوراً مالوہ واپس آنا لازمی تھا۔

ہولکر کی واپسی کے بعد باجی راؤ نے دولت راؤ سندھیا کو چار لاکھ کی جاگیر دینے کا وعدہ کرکے اپنا ہمخیال بنالیا۔ اور نانا فرنویس کو بھی باجی راؤ سے اپنے معافی تقصیرات کا پروانہ لکھواکر اُسی کو پیشوا تسلیم کرنا پڑا۔

تکوجی کی عمر ۷۰ برس کے قریب ہوچکی تھی اور ضعیفی نے اُسکو مزید محنت کے ناقابل بنادیا تھا۔ اُس نے مالوہ پہونچکر کل انتظام ریاست اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن جو توا عدو قوانین اہلیابائی

نے جاری کیے تھے اُن میں دست اندازی نہیں کی۔ اُسکو خبریں پہونچتی رہیں کہ پونا میں اُسکے بعد بہت انقلابات ہوے۔ سندھیا نے باجی راؤ کی طرفداری کی۔ مشیر الملک نے مرہٹوں کی قید سے عزت و آبرو کے ساتھ رہائی پائی۔ نظام سے جدید عہدنامہ ہوا۔ اور وہ کل علاقہ جو کردلا کی لڑائی کے بعد حاصل ہوا تھا واپس کیا گیا۔ اور نانا فرنویس نے باجی راؤ کو پیشوا بنادیا لیکن ہولکر نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ پیشوا کی گدی کا فرمانبردار رہا اور کسی معاملہ میں دخل نہیں دیا۔ یہاں تک کہ ۱۲۔ اگست ۱۷۹۷ء کو دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

جسونت راؤ ہولکر

احمد شاہ ابدالی اور باجی راؤ کا ورق تمام الٹ چکا۔ ملہر راؤ ہولکر اور مادھوجی سندھیا کے دن گذر گئے۔ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ کی کہانی تقویم پارینہ ہو گئی۔ ہندوستان کا مظلوم بادشاہ آنکھیں کھو کر لال قلعہ میں نظر بند ہے۔ اور دہلی کی راج دولت راؤ سندھیا کے نائبوں کے ہاتھ میں ہے

چشم ہا کندہ شد از جور فلک چتر شہ[۱]
تا نہ بینیم کہ کند غیر جہانداری ما

پنجاب میں سکھوں نے قدم جما لیا۔ اودھ کا صوبہ دار دہلی سے باغی ہوا اور کلکتہ سے خاک لا کر اپنا کھ جدا بنانے کی فکر میں ہے۔ بنگال اور مدراس پر "ایسٹ انڈیا کمپنی" کی ہیبت طاری ہے۔ بندیلکھنڈ میر پیشوا کی اولاد باندہ کی نوابی پر سرفراز ہے۔ حیدرآباد کا نظام الملک "کردلا" کی پہاڑی پر کھویا ہوا علاقہ واپس لیکر سلطنت میسور کے تاراج کرنے کی فکر کر رہا ہے۔ دکن کی سب سے زیادہ زبردست قوت یعنی پونا کا دربار انقلاب کی کشاکش میں گرفتار ہے۔ مادھو راؤ پیشوا خودکشی کر چکا اور اب "نانا فرنویس" رگھوبا کے لڑکے باجی راؤ کو مسند پیشوائی پر مستقل کرنے کے لیے جوڑ توڑ لگا رہا ہے۔ اوجین کا عیش پسند دولت راؤ سندھیا نوجوانی میں مادھوجی کی کمائی پاکر داد عشرت دے رہا ہے بمبئی اور کلکتہ کی تجارتی کمپنیوں کا ستارہ عروج پر ہے اور وہ دن قریب ہے کہ ہندوستانی رئیسوں کی خانہ جنگیاں زہرہ کو مہتاب بنا دیں!!

ایسے نازک وقت میں ملک کی بدقسمتی سے ایک شجاع اور مدبر فرماں روا جو اپنے دبدبے سے وسط ہند میں امن قائم کیے ہوئے تھا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور تیس برس سے اہلیا بائی کے سلیقہ جہانداری اور تکوجی کی نیازمندی اور وفاداری نے جو چین آرام مالوہ کی رعایا کو نصیب کر رکھا تھا اسکے بھی دن پورے ہو چکے ہیں۔ اندور کی ریاست میں جنگ و جدال کا عہد شروع ہوتا ہے اور ایک ایسا جفاکش جنرل میدان میں آتا ہے جسکے عروج و زوال کی دلچسپ داستان انقلابات عالم کی ایک حیرت انگیز تصویر ہے!!

تکوجی ہولکر کے چار لڑکے تھے جن میں سے کاشی راؤ اور ملہر راؤ برادری کی بیوی سے تھے اور جسونت راؤ اور وٹھوجی ایک بیرونی محل سے۔ کاشی راؤ کے حقوق وراثت

---

[۱] یہ دردناک شعر خود شاہ عالم کا ہے۔ جہاں پناہ شاعر تھے اور آفتاب تخلص تھا۔

بوجہ فرزند اکبر ہونے کے فائق تھے لیکن اُس کا دماغ کمزور تھا۔ صحت جسمانی درست نہ تھی اور کھیری کی لڑائی میں اُس کا طرز عمل نہایت مشتبہ ثابت ہوا تھا۔ اہلیا بائی کو یقین تھا کہ یہ لڑکا ریاست کا مستقل حاکم ہونے کے قابل نہیں ہے اور اُس کی تجویز تھی کہ تُوکوجی کے بعد کاشی راؤ مہیسر میں رہے اور دفتر و خزانہ کی نگرانی جو اہلیا بائی کے ذمہ تھی اس لڑکے کے سپرد کی جائے اور فوج کی سرداری ملہراؤ کو دی جائے۔

جب تک اہلیا بائی زندہ رہی تُوکوجی نے اس رائے سے مخالفت نہیں کی مگر اپنی مُربیہ کی وفات کے بعد اُس کا خیال بدل گیا۔ اور اُسکے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند خطوط دستیاب ہوتے جو اُس نے اپنی بیماری کے زمانہ میں کاشی راؤ کو لکھے تھے اور ایک میں یہ عبارت تھی کہ "میں نے سندھیا کو تمہاری مدد کے لیے ہموار کر لیا ہے۔ تم فوراً آؤ تاکہ میری زندگی میں حکومت تمہارے سپرد کر دی جائے"۔ اس ارشاد کی تعمیل میں کاشی راؤ مہیسر آیا اور خلعت ولیعہدی سے سرافراز ہوا۔ اُس کا ایک خط مورخہ "۸۔ نومبر ۱۷۹۶ء روز سہ شنبہ" ریاست میں موجود ہے جس میں اُس نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ "میرا باپ سخت بیمار ہے اور میں تیزی سے کوچ کر کے اُسکے دیدار کو آیا ہوں۔ باپ نے مجھ کو خلعت ولیعہدی عطا فرمایا ہے۔ لیکن میرا بھائی ملہراؤ خفا ہو کر کہیں چلا گیا۔ معلوم نہیں کہ اُس کا کیا ارادہ ہے۔ اگر پیشوا کی خدمت میں شکایت لیکر پہونچا ہو تو اُس کی نگرانی کرتے رہو"۔

تُوکوجی کا خاتمہ ہوا تو اُسکی وصیت کے مطابق کاشی راؤ مسند نشین کیا گیا مگر ملہراؤ نے دربار پونا کے رکن اعلیٰ "نانا فرنویس" سے اپنی مدد کا وعدہ حاصل کر لیا تھا اور ریاست کی فوج کا بڑا حصہ اُسی کا طرفدار تھا۔

کاشی راؤ نے دیوان سرجی راؤ گھاٹگیا کو (جو اپنی خوبصورت لڑکی دولت راؤ کے نکاح میں دینے کا وعدہ کر کے ریاست سندھیا کے سیاہ و سفید کا مختار ہو گیا تھا) منت سماجت سے اپنا ہوا خواہ بنا لیا تھا اور پونا کے دربار میں کاشی راؤ کے حقوق بہت زور شور سے بیان کیے گئے۔ کاشی راؤ خود بھی پونا پہونچا اور وہاں نانا فرنویس اور گھاٹگیا کی مخالفت کاشی راؤ اور ملہراؤ کی آڑ میں ظاہر ہونے لگی!!

گھاٹگیا فطرت و چالاکی میں نانا سے بہت زیادہ تیز تھا۔ اُس نے اپنے فریق کی کامیابی کے لیے یہ داؤں کیا کہ کاشی راؤ اور ملہراؤ کے درمیان صلح کرا دی اور "بیل بھنڈار" لے کر قسم کھائی گئی کہ

دونوں بھائی باہم اتفاق سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف فتنہ پردازی نہ کریں گے۔ نانا مطمئن ہوگیا مگر جس دن یہ عہد و پیمان ہوئے اُسی رات کو سندھیا کی قواعد داں فوج نے ملہر کا خیمہ گھیر لیا۔ جب صبح کو ملہر راؤ بیدار ہوا تو پتہ چلا کہ اُس نے دھوکا کھایا۔ قول و قرار نمائشی تھے۔ اور دشمن نے موقع پاکر اُسکے ڈیرہ پر پہرا بٹھادیا ہے۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوا۔ مگر قبل اسکے کہ مدافعت کے لیے اپنے ہمراہیوں کو آواز دے سکے اُس کی پیشانی پر ایک گولی لگی۔ جس نے اُس کی پرارمان زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اُسکے جاں نثار سپاہی بھی قتل کیے گئے۔ اور اُنھیں میں ایک بہادر دوی راؤ تھا جس کی حسرتناک موت تاریخ کے صفحوں پر اس وجہ سے مشہور ہوئی کہ اُسکی وفادار بیوی اپنے شوہر کی ناگہانی خبر موت سنتے ہی چیخ کھاکر زمین پر گر پڑی اور اُسی وقت اپنے مقتول شوہر کے پاس دوسرے عالم میں پہونچ گئی۔[۱]

ملہر راؤ کی جس قدر فوج پونا میں موجود تھی (اور جسکی تعداد تین چار ہزار کے درمیان تھی) منتشر کر دی گئی۔ خیمہ و خرگاہ لوٹ لیا گیا۔ اور اُسکی حاملہ بیوی کو سندھیا نے اپنی حراست میں لیلیا۔ البتہ تُکوجی کے دو لڑکے جسونت راؤ اور ایٹھوجی اس قتل عام سے جان بچا کر بھاگ گئے۔

اس دغابازی کے انعام میں کاشی راؤ نے ۳۶ لاکھ کی دستاویزیں جنکا اہلیا بائی[۲] کے وقت سے ریاست اُجین پر بار تھا سندھیا کو واپس کر دیں اور گولی بارود کی قیمت کے نام سے پندرہ لاکھ روپیہ نذر کیا۔

کم عقل کاشی راؤ سمجھا ہوگا کہ بیگناہ بھائی کا خون بہا کر وہ باطمینان مہیسر میں راج کرے گا لیکن اُس نے خیال نہ کیا کہ سب راجوں کا راجہ جو اپنے ایک اشارہ سے تمام دنیا کی سلطنتیں بناتا اور بگاڑتا ہے اس دغابازی و بدعہدی کو دیکھتا تھا اور اس کی سرکار میں داد خواہوں کی فریادرسی کے لیے کسی رشوت کی ضرورت نہ تھی!!!

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن　　اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

احکم الحاکمین نے رنجیدہ و افسردہ جسونت راؤ کو اس خونی میدان سے محفوظ نکال کر ایسی بہادری

---

[۱] ڈف گرانٹ تاریخ مرہٹہ جلد سوم۔ صفحہ ۱۲۸

[۲] اہلیا بائی نے اپنے ابتدائی عہد میں مادھوجی سندھیا کو ۳۰ لاکھ روپیہ قرض دیا تھا اور ۶ لاکھ روپیہ ملہر راؤ کی آشنا ہورکیا بائی سے دلایا تھا۔ مادھوجی نے اس قرض کی رسید لکھ دی تھی لیکن روپیہ واپس کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ یہی دستاویزیں اُسوقت کاشی راؤ نے واپس کر دیں۔ ۱۲

اور جوانمردی عطا فرمائی کہ چند ہی روز میں کاشی راؤ اور اُسکے تمام ہوا خواہوں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا!!

بہرحال اسوقت تو کاشی راؤ فتحمندی کے نشہ سے جھومتا تھا۔ عاقبت کی خبر خدا جانے!!

جسونت راؤ یہاں سے فرار ہو کر گنتی کے چند سواروں کے ساتھ گرتا پڑتا ناگپور پہونچا اور وہاں کے راجہ رگھوجی بھونسلا سے پناہ چاہی۔ مگر بھونسلا کو شک تھا کہ اس مظلوم راجکمار کے پاس کچھ قیمتی جواہرات ہیں جو ناگپور کے تخت و تاج کی زینت بڑھا سکتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ دربار پونا اور ریاست سندھیا کے مسرور کرنے کے لیے جسونت راؤ سے بیش قیمت کوئی تحفہ نہ تھا۔ اس لیے ان سب مصالح مالی و ملکی کو پیش نظر رکھ کر بھونسلا نے اس بیکس کو گرفتار کر لیا!!

جسونت راؤ چھ مہینے تک قید خانہ میں رہا۔ مگر ہوا مٹھی میں کیونکر بند ہو سکتی ہے۔ وہ موقع پا کر بھاگا۔ لیکن پھر گرفتار ہو گیا۔

جیتے ہیں تو اک روز پلٹ جائیگا پانسہ   ہمت نہیں ہارا ہے دلِ زار ابھی تک

چند ہی روز کے بعد اُس نے نگراں محافظوں کو غافل پایا اور ایسی احتیاط سے فرار ہوا[۱] کہ راجہ کو خبر بھی نہ لگی اور وہ خاندیس پہونچ گیا!! وہاں گرگاؤں میں لہرراؤ کا گرو چمنا بھاؤ رہتا تھا۔ اُسکو یہ ہمت تو نہ تھی کہ جسونت راؤ کو اپنی حمایت میں رکھ سکتا۔ لیکن اُس نے تین سو روپیہ نقد اور ایک گھوڑی "لنکا" نام چیلے کی نذر کی اور مالوہ کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ اسکی ترقی کا راستہ اُدھر ہے۔ جسونت راؤ نے یہ امداد شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ لیکن یکایک مالوہ میں داخل ہونے کی ہمت نہ کرکے دو تین مہینے تک گونڈوں کے بھیلوں کے ساتھ اپنی زندگی کی خبر چھپاتے رہا۔ جب یہاں بھی اطمینان کی صورت نظر نہ آئی تو بے روائی ہوتا ہوا دھرم پور پہونچا جو نربدا کے کنارے ریاست دہار کا ایک مقبوضہ شہر تھا۔

آنند راؤ پوار[۲] اُسوقت دہار کا راجہ تھا۔ مخبروں نے اطلاع کی کہ جسونت راؤ دھرم پور

[۱] جسونت راؤ اس مرتبہ ایک مسلمان سپاہی شاہ محمد نام اور ایک محرر بھوانی شنکر کی مدد سے فرار ہوا تھا۔ شاہ محمد تو چند روز میں مر گیا لیکن بھوانی شنکر کو بہت کچھ عروج نصیب ہوا۔ ۱۲

[۲] جسونت راؤ پوار ریاست دھار کا راجہ پانی پت کی لڑائی میں کام آیا تھا، اُس کا لڑکا کنڈی راؤ باپ کی موت کے وقت صرف ڈھائی برس کا تھا۔ ریاست کا انتظام ایک برہمن مادھو راؤ ورنیکار کے ہاتھ رہا۔ اُس زمانہ میں ہمسایہ ریاستوں نے دھار کا بہت علاقہ چھین لیا۔ کنڈی راؤ کی شادی گووند راؤ گائیکوار (دیکھیے صفحہ ۳۶)

میں ہے تو راجہ نے اپنی شرافت سے اس مظلوم کے لیے خلعت و پالکی روانہ کی اور اپنے ملازموں کو ہدایت کی کہ راجکمار کو براہ مانڈو دہار پہونچا دیں اور اُسکی کل ضرورتوں کی کفالت کریں۔

اُسوقت جسونت راؤ کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ اُسکے پاس پوشاک بدلنے کو جوڑا نہ تھا۔ اور اُسکے ہمراہی بھی نیم برہنہ تھے۔ راجہ کی مہربانی سے انکو کپڑا میسر آیا۔ اور دو تین مہینے تک جسونت راؤ کسی قدر اطمینان سے دہار میں مقیم رہا۔ اُسکے مقتول بھائی کے پُرانے تلنگوار بھی یہاں جمع ہونے لگے لیکن سب شکستہ حال تھے۔ اور اُنکی اعانت جسونت راؤ کی خالی جیب پر سخت بار تھی۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں ریاست کے سابق دیوان رنگ راؤ اوریکار نے جو بڑی مشکل سے دہار سے نکالا گیا تھا پٹھانوں اور پنڈاریوں کی جماعت لیکر راجہ پر حملہ کر دیا۔ "کسور" کے مقام پر لڑائی ہوئی اور انندراؤ حالت بگڑی ہوئی دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن جسونت راؤ نے جو اُسوقت میدانِ جنگ میں اپنے میزبان کی مدد کے لیے موجود تھا ایک پرچہ لکھکر اوریکار کے ہمراہی پنڈاریوں کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ "جسونت راؤ ہولکر پوار کے ساتھ ہے اور پنڈاریوں سے جو اُس کے گھرانے کے قدیم ہمدرد ہیں التجا کرتا ہے کہ وہ اوریکار کا ساتھ چھوڑ دیں۔" پنڈاریوں کو پہلے تو اس خبر کا یقین نہ آیا مگر جب قاصد نے قسم کھائی تو اُنھوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا اور دہار کی توپیں جو اُنکے قبضہ میں آ چکی تھیں چھوڑ دیں۔ پنڈاری پیچھے ہٹ گئے مگر پٹھان بدستور لڑتے رہے۔ جسونت راؤ نے خود اُن پر فیر شروع کیا اور اوریکار کے لشکر کو سخت ہزیمت دی۔ راجہ بیحد ممنون ہوا۔ مگر جسونت راؤ نے اس خدمت کے معاوضہ میں صرف یہ انعام مانگا کہ اُسکو دہار میں پناہ دی جائے اور وہ دشمنوں کے حوالے نہ کیا جائے!!

اس لڑائی کی شہرت دور پہونچی اور سندھیا کو معلوم ہو گیا کہ مقتول ملہرراؤ کا بھائی دہار میں زندہ سلامت موجود ہے اُس نے انندراؤ کو دھمکی دی کہ جسونت راؤ گرفتار یا خارج البلد نہ کیا گیا تو دہار کا علاقہ خاک سیاہ کر دیا جائے گا۔ انندراؤ سخت مشکل میں تھا۔ نہ سندھیا سے مقابلہ کی طاقت تھی نہ ہولکر سے وعدہ خلافی کی جرأت۔ جسونت راؤ نے یہ عقدہ سنا تو اپنی شرافت ظاہر کی اور اعلان کر دیا کہ وہ اپنے مہربان دوست کا علاقہ تباہ کرانا نہیں چاہتا اسلیے دہار سے چلا جائے گا۔ راجہ نے دس ہزار روپیے مدد کی اور سات گھوڑے بھی عنایت فرمائے۔

(بقیہ حاشیہ ص۲۵) کی لڑکی سے ہوئی اور اُنکا بیٹا انندراؤ جو اپنے باپ کے مرنے سے چھ مہینے بعد پیدا ہوا تھا، ۱۰ سال کی عمر تک بڑودہ میں رہا وہ جب دہار واپس آیا تو یہاں کے دیوان رنگ راؤ اوریکار نے بہت مخالفت کی مگر بالآخر راجہ کامیاب ہوا اور دیوان ریاست سے نکال دیا گیا۔

جسونت بہت مغموم و افسردہ دہار سے رخصت ہوا۔ اسوقت اُسکے ساتھ صرف چودہ سوار تھے جن میں سے سات تو اُن گھوڑوں پر تھے جو راجہ دہار نے عنایت فرمائے تھے اور سات ایک دوسرے مرہٹہ سردار کے تھے جو راجکمار کی قسمت کا شریک ہوگیا تھا۔ ان سواروں کے علاوہ تقریباً اکیس نیم مسلح پیادے بھی اُسکے ہمراہ تھے جو اُسکے بھائی کے نمکخوار تھے اور جنکا مال و اسباب پونا میں لٹ چکا تھا۔ یہ مختصر جماعت نہایت حسرت و فکر کے ساتھ دہار سے جا رہی تھی اور سردار سوچتا تھا کہ دنیا میں شاید اُسکے لیے کوئی جگہ امن کی باقی نہیں ہے مگر قسمت کی دیبی مسکرا رہی تھی کہ عنقریب ستارۂ اقبال طلوع ہوتا ہے اور سیندھیا کا مسند ریاست پامال ہوا چاہتا ہے !!

ذرہ بھی چمک کے ہو ستارہ قائم جو زمین و آسمان ہے

جب یہ مصیبت زدہ گروہ دیپال پور کے قریب پہونچا (جو دریائے چمبل کے کنارے ریاست اندور کا ایک شہر تھا) تو جسونت راؤ نے اپنی قسمت آزمانے کے لیے اس شہر پر اچانک حملہ کر دیا یہاں کاشی راؤ کے سو مسلح سوار حفاظت کے لیے متعین تھے لیکن سر کھپ جسونت نے اس دلیری سے دھاوا کیا کہ سواروں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سب فرار ہوئے یا قتل کیے گئے۔ اور جسونت راؤ کو اُنکے نفیس گھوڑے مال غنیمت میں ملے۔ اُس نے شہر کے باشندوں سے بھی کچھ رقم وصول کی۔ اور اُسی دن سے غارتگری کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔

معترض کہتے ہیں کہ یہ لوٹ مار اُسکی شرافت کے شایاں نہ تھی۔ لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے اور اپنی آبائی ریاست کو سندھیا کے پنجہ سے نکالنے کی اُسکے پاس کوئی تدبیر سوا اسکے نہ تھی کہ دشمنوں سے مال چھین کر ملازم رکھے اور کاشی راؤ کو جو سندھیا اور اُسکے دیوان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہا تھا زک دیکر ملہر راو کے نابالغ بچے کھنڈی راؤ کو جو باپ کے قتل ہونے کے بعد پیدا ہوا تھا اور اپنی پیدائش کے وقت سے سندھیا کا قیدی تھا آزاد کرا کے موروثی مسند ریاست پر بٹھلائے۔

سندھیا سے جسونت راؤ کو قطعی عداوت تھی اور اسوقت اندور کی کل ریاست کاشی راؤ کی نالائقی سے سندھیا کے قابو میں تھی۔ لہذا جسونت راؤ دیپال پور اور نیز دیگر اضلاع اندور کے لوٹنے میں حق بجانب تھا۔ یہ سب علاقہ دشمن کا ملک تھا۔ اور اس کی تاخت و تاراج میں اُس زمانہ کے جنگی اصول کے مطابق کوئی اخلاقی مخالفت نہ تھی۔ جسونت راو نے دہار چھوڑنے سے قبل ایک مہر[1] تیار کرائی تھی جس پر "جسونت راؤ فدوی سوائی کھنڈی راؤ" کندہ تھا۔ اور یہ تاریخی تھا

[1] ملکم صاحب کی یادداشت مالوہ جلد ا صفحہ ۱۶۸۔

اس دعوے کا ثبوت ہے کہ وہ خود ریاست کا دعویدار نہ تھا بلکہ اپنے مظلوم اور بیکس بھتیجے کو اُسکے جائز حقوق دلانا چاہتا تھا۔ اور جو دشمن اس کارِ ثواب میں مزاحم ہوتے تھے اُنکو قتل و غارت کرنے میں دریغ نہ کرتا تھا۔

ہرحال دیپال پور کی لوٹ سے کچھ مال جسونت راؤ کے ہاتھ آیا اور اُس نے فوج بھرتی کرنا شروع کی جس میں پنڈاری ۔ بھیل ۔ افغان ۔ مرہٹے اور راجپوت وغیرہ سب شامل تھے ۔ وہ اس فوج کو لیکر جاورہ اور مہدی پور گیا ۔ لیکن وہاں کے عاملوں نے امداد نہ کی ۔ بلکہ جاورہ کے حاکم نے تو اُسکو گرفتار کرنے کی کوشش کی ۔ وہ یہاں سے ہٹ کر سارنگ پور پہونچا ۔ جہاں ایک سید وزیر حسین نام نے (جو پہلے ہولکر کی سرکار میں ملازم تھا) اس بہادر کا ساتھ دیا ۔ اور مالوہ کے شرفا میں سے یہ پہلا شخص تھا جو جسونت راؤ کی قسمت کا شریک ہوا ۔

سید کے پاس چالیس پچاس سوار اور دو تین سو پیدل تھے ۔ وہ اُس نے جسونت راؤ کی خدمت میں پیش کیے اور پانچ ہزار روپیہ نقد بھی حاضر کیا ۔ اور اسکے علاوہ سب سے بڑی خدمت یہ کی کہ جسونت راؤ کی ملاقات سنبھل ضلع مرادآباد کے ایک بہادر سردار امیر خاں سے کرادی جو کسی زمانہ میں پیشوا کا ملازم تھا ۔ اور بعد کو ریاست بھوپال میں اپنا مستقر بنا کر مرہٹوں سے جنگ جدل شروع کی تھی ۔ اور اُسوقت پندرہ سو منتخب سوار اُسکے ہمرکاب تھے جنھوں نے قرب و جوار کے علاقہ میں آفت برپا کر رکھی تھی ۔

اسی زمانہ میں جسونت راؤ کو خبر ملی کہ اُس کا بھائی اٹیوجی جو پونا سے ملہر راؤ کے قتل کے بعد فرار ہوا تھا اور پیٹ پالنے کے لیے ڈاکوؤں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا تھا، پیشوا کے شکنجہ میں آگیا ۔ اور بے رحم باجی راؤ نے اس مظلوم بیکس کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر پہلی اپریل سنہ ۱۸۰۱ء کو شارع عام پر کچلوا دیا !!

یہ دردناک خبر سنکر جسونت راؤ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا ۔ اور اُس نے پیشوا اور سندھیا کو تباہ کرنے کی قسم کھائی ۔ سید وزیر حسن کی سلسلہ جنبانی سے امیر خاں شجاعلپور آیا اور رانا گنج کے مقام پر جسونت راؤ اور امیر خاں سے پہلی ملاقات ہوئی ۔ باہمی شرائط قرار طے ہوگئے ۔ امیر خاں نے وعدہ کیا کہ وہ جسونت راؤ کا ساتھ کسی حال میں نہ چھوڑے گا ۔ اور ہولکر نے ایک تحریر دی کہ آئندہ جسقدر مال غنیمت حاصل ہو یا جو علاقے فتح کیے جائیں اُسمیں امیر خاں کا نصف حصہ ہوگا ۔

مالوہ دشمنوں کے قبضہ میں تھا اس لیے سب سے پہلے اسی پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ شجا علپور کے عامل سے ۷ ہزار وصول کیا۔ سوداگروں کے ایک قافلہ سے ۲۰ ہزار کا کپڑا لوٹ لیا۔ سندھیا کے علاقوں کو برباد کیا۔ ہنڈیا کو تباہ کر دیا۔ کسوارہ میں کاشی راؤ کی فوج کو شکست دی اور چار توپیں چھین لیں جنھوں نے اس کی فوجی قوت میں چار چاند لگا دیے۔!!

اسکے بعد مہیسر کا رخ کیا مگر کامیابی کی صورت نہ دیکھ کر سنواس گیا جہاں سات توپیں اور دستیاب ہوئیں۔ کاشی راؤ کی فوج پر دل برداشتہ شروع ہوئی۔ اس کا فرانسیسی افسر شولیر ڈیوڈ رینک" اپنی قواعد داں فوج لیکر جسونت راؤ سے آملا۔ چند مہینوں کے اندر جسونت راؤ کا پایہ اس قدر مضبوط ہو گیا کہ اس نے کھنڈی راؤ کی طرف سے حکومت اندور کا اعلان کر دیا۔

اب وہ بغیر کسی مزاحمت کے مہیسر پہونچا۔ راج محل پر قبضہ کیا اور اہلیا بائی کی جمع کی ہوئی دولت اسکے ہاتھ آئی۔

تین مہینے مہیسر میں قیام کر کے وہ برکنڈہ گیا جہاں اسکی توپیں تیار ہوتی تھیں۔ ایک روز نشانہ بازی کی مشق کر رہا تھا کہ بندوق دفعتہً پھٹ گئی اور اسکی ایک آنکھ جاتی رہی لیکن شیر دل راجہ کو اس تکلیف کی کیا پروا تھی۔ صحت کے بعد امیر خاں کو "نواب" کا خطاب دیکر ہاتھی گھوڑے خلعت اور جواہرات سے سرفراز کیا اور اسکو مشرقی اضلاع سے چوتھ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔

نئے نواب نے راجہ دیواس سے ایک لاکھ روپیہ وصول کیا "آشٹہ" کو خاکسیاہ کر دیا۔ برسیہ۔ سرونج۔ ساگر اور انکے درمیان کا کل علاقہ لوٹ لیا۔ ساگر پیشوا کے قبضہ میں تھا اور یہاں کی فوج نے مقابلہ کی ہمت دکھلائی اسلیے ہر ایک محلہ لوٹا گیا اور تیس دن تک شہر کے کسی نہ کسی حصہ میں آگ کے شعلے بلند ہوتے رہے۔ چار پانچ سو آدمی قتل ہوئے لیکن سارا شہر تباہ کر دیا گیا اور رعایا کے پاس کسی قسم کا مال نہیں چھوڑا گیا۔ یہاں تک کہ کنوؤں اور تالابوں میں بھی جال ڈال کر جو کچھ مل سکا نکال لیا۔

ساگر کے عامل نے راجہ ناگپور سے مدد مانگی۔ اور وہاں سے فوج اس قدر تیزی کے ساتھ

---

(۱) ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ پچاس برس بعد تک وہ [illegible] جو ادھر بھاگا۔ ایسا گیت گایا کرتے تھے جس میں جسونت راؤ کی اس جسمانی نقص کی طرف اشارہ تھا اسکے چند الفاظ یہ ہیں:

"جسونت راؤ مردانا۔ اسے کون سکے گا مانا۔ ہاتھ سے چھید کے رو گیا کانا"

آئی کہ جب تک وہ لشکر ساگر سے چند میل کے فاصلہ پر نہ پہونچ گیا امیر خاں کو اس امداد کی اطلاع نہ ہوئی۔ جس وقت اس لشکر کی آمد کی خبر ملی امیر خاں دو تین ہزار سوار لیکر مقابلہ کے لیے نکلا۔ لیکن اُسکی فوج کا بڑا حصہ اُس دولت کو محفوظ کرنے کے لیے جو ساگر کی لُوٹ سے ہاتھ آئی تھی، بھوپال کی طرف چلا گیا۔ امیر خاں رات کو ساگر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ساری فوج غائب ہے۔ مجبور ہو کر اُس نے اپنے خیمۂ و خرگاہ کو آگ لگا دی اور راہگڈھ کی طرف ہٹ گیا۔ اُسکے پاس نہ تو شب باشی کے لیے ڈیرا تھا اور نہ پوشاک بدلنے کو کپڑا۔ راجگڈھ کے حاکم نے مدد کی اور وہاں کے ایک ساہوکار سے بھی کچھ روپیہ لیا گیا۔ اسکے بعد امیر خاں کے بھائی کریم الدین نے شجاعلپور کو لوٹ کر اس نقصان کا معاوضہ کیا۔

امیر خاں کے فتوحات دیکھ کر بعض فتنہ پردازوں نے جسونت راؤ کو بدظن کرنا چاہا۔ اور راجہ کو سمجھایا کہ یہ پٹھان مالوہ کو لُوٹ کر ہولکر کے راج پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ راجہ نے ایک سردار امیر خاں کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ مگر اُس بہادر کو کچھ خوف نہ تھا

تو پاک باش برادر مدار از کس باک زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

وہ صرف سو سواروں کی جمعیت سے مہیسر پہونچا اور اپنی تلوار راجہ کو نذر کرکے کہا کہ "آپ سے بد باطنوں نے میری شکایت کی ہے لیکن میں تلوار آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ یہ ہتھیار ہمیشہ آپ ہی کے کام میں استعمال ہوگا"۔ جسونت راؤ خاموش ہو گیا لیکن اُسکے دل میں شک باقی تھا۔ دوسرے ہی دن امیر خاں تن تنہا اُسکے حضور میں گیا اور اپنا خنجر نذر کرکے عرض کی کہ "آپ کو میری وفاداری پر شبہہ ہے تو بہتر ہے کہ اسی خنجر سے مجھ کو ہلاک کر دیں۔ میں اپنا خون معاف کرتا ہوں اور مجھ کو بہت خوشی ہوگی اگر آپ کو یقین آ جائے کہ میری جان لینے سے آپ کی ریاست کو فائدہ پہونچا"۔

جسونت راؤ شرمندہ ہوا۔ امیر خاں کو گلے لگایا۔ پچھلے خیالات کی معافی چاہی اور دونوں نے باہمی مشورہ سے سندھیا سے مقابلہ کرنے کی تدبیر سوچنا شروع کی جو اس عرصہ میں جنگ کے لیے تیار ہو گیا تھا اور اُسکی فوج نے ریاست ہولکر کی طرف پیشقدمی کا آغاز کر دیا تھا۔

راجہ اور نواب نے ہمت کرکے سندھیا کی ہراول فوج کو شکست دی لیکن ستواس کے مقام پر خفیف زک اُٹھائی اور پھر پوری طاقت سے اُجین پر حملہ کیا جو سندھیا کا دار السلطنت تھا۔ آٹھ دن تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار سندھیا کی کل فوج جو اُجین کے پاس تھی قتل ہوئی

دار السلطنت مفتوح ہوا اور اس دولت مند شہر سے تاوان جنگ وصول کرنے کی وہی تدبیر کی گئی جو نادر شاہ نے دہلی میں اختیار کی تھی یعنی محلّہ محلّہ کا نیلام کر دیا گیا اور ٹھیکہ دار حسبقدر روپیہ اپنے اپنے محلّہ سے وصول کرسکے شیر مادر تھا!!

سندھیا نے اس غارتگری کا عوض بڑی بے رحمی سے لیا۔ اس کا سُسر دیوان سرجی راؤ گھٹکیا اندور کے تباہ کرنے پر مامور کیا گیا اور اس دختر فروش سردار کو ظلم و ستم کے آلے ایجاد کرنے اور بے زبان رعایا پر اُنکے استعمال کرنے میں خاص ملکہ تھا۔ اسکی سفاکی اور خونریزی کی عجیب و غریب حکایتیں ایک انگریز مورّخ[1] نے لکھی ہیں جنکا دہرانا کاغذ کا گندہ کرنا ہے۔ لیکن اُن میں سے دس فی صدی بھی اگر سچی ہیں تو یہ شخص چنگیز اور ہلاکو خاں کی چھوٹے پیمانہ کی تصویر تھا!!

اس ظالم نے اندور کا رخ کیا تو جسونت راؤ اپنی کُل فوج اور تین سو توپیں لے کر دار الحکومت کی حفاظت کو چلا۔ دس دن تک ہلکی ہلکی لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن ۱۴۔ اکتوبر ۱۸۰۱ء کو ہولکر نے فیصلہ کُن جنگ کا ارادہ کیا۔ رات کے وقت امیر خاں اور بھوانی شنکر سرداران لشکر کو حکم دیا کہ وہ دس بارہ ہزار سپاہی لے کر چکر لگاتے ہوئے طلوع آفتاب کے وقت تک دشمن کے پیچھے پہونچ جائیں اور اُدھر سے ایک توپ سر کریں جسکی آواز سُن کر سامنے کے رُخ سے بھی حملہ شروع کیا جائے اور دوطرفہ آتشباری سے مجروح ہو کر سندھیا کی فوج کا خاتمہ ہو جائے۔

یہ چال تو زبردست تھی مگر بدقسمتی سے امیر خاں کو عقب تک پہونچنے میں دیر ہوئی اور گھٹکیا کی فوج نے دھاوا شروع کر دیا۔ اسکے جواب میں ہولکر کے رسالہ کو بھی حملہ کرنا پڑا۔ گھٹکیا کے سپاہی بھاگنے لگے۔ توپیں چھوڑ دیں اور بعض نے ہتھیار ڈال دیے۔ اگر جسونت راؤ اسوقت بھی اپنی محفوظ فوج لے کر حملہ کر دیتا تو گھٹکیا کا نشان بھی نہ باقی رہتا مگر وہ امیر خاں کی توپ کے انتظار میں رہا اور چند لمحوں کے پس و پیش نے لڑائی کا پانسہ پلٹ دیا۔

سندھیا کے پیادوں نے دیکھا کہ دشمن کے صرف دو تین سو سوار اُنکے مقابلہ پر ہیں میدان میں قدم گاڑ دیے اور سواروں کو پسپا کیا۔ اب جسونت راؤ نے رسالہ کی مدد کرنا چاہی مگر وقت گذر چکا تھا اور اُسکی کوشش ناکام رہی۔ امیر خاں اور بھوانی شنکر دشمن کی پشت پر پہونچے تو دیکھا کہ

[1] ڈوف گرانٹ صاحب کی تاریخ مرہٹہ جلد سوم۔ ایک ترکیب دشمن کو ایذا دینے کی یہ ایجاد کی تھی کہ اُسکے سارے بدن پر ہوائی بان لگوا دیے اور اُنکو مشتعل کیا۔ جسم کا ٹکڑا ٹکڑا الگ ہو گیا!! توپ کو گرم کیا اور دشمن کو اُس سے باندھ دیا۔ گرمی بتدریج بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ دشمن جل کر کوئلہ ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ

ہولکر کے لشکر کو نصف شکست ہو چکی ہے اور دن بھی بہت چڑھ گیا ہے اس لیے توپ کا فیر نہیں کیا اور اپنے دستہ کی حفاظت سوچنے لگے - اس عرصہ میں ایک سردار نے میدان سے بھاگنے کے لیے خیمہ وخرگاہ لدوانا شروع کر دیے - اور یہ کم ہمتی دیکھ کر سارے لشکر کا جی چھوٹ گیا اور اندھیرا ہونے سے پہلے ہی ہولکر کی فوج ہر طرف بھاگنے لگی - مجبور ہو کر جسونت راؤ نے بھی منہ موڑا اور صرف چند ہمراہیوں کے ساتھ میدان سے سلامت جا سکا - توپیں چھن گئیں - سامان جنگ غارت ہو گیا - خیمے ڈیرے لُٹ گئے اور دارالسلطنت اندور دشمن کے قبضہ میں آ گیا - سرجی راؤ نے پونا میں جو مظالم کیے تھے اُنکی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے - اب اندور تو دشمن کا شہر تھا اور بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا - یہاں ہر ایک سفاکی جائز و مباح تھی !! شہر لوٹ لیا گیا - اور اندور کے کنوئیں اُن شریف اور عصمت پرست عورتوں کی لاشوں سے پٹے ہوئے تھے جنھوں نے بے آبروئی سے بچنے کے لیے کنوؤں میں گر گر کر اپنی جانیں گنوائی تھیں - پندرہ دن تک قتل عام جاری رہا - ہر ایک باشندہ یا تو مارا گیا یا فرار ہوا اور شہر میں کوئی عمارت باقی نہ رہی جو مسمار نہ کر دی گئی ہو - یہ دردناک انجام ہوا اُس خوبصورت شہر کا جسکی رونق و دولت بڑھانے کے لیے اہلیا بائی نے اپنی عمر کے تیس سال وقف کیے تھے !!!

ان نینن کا یہی بسیکھ   وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

جسونت راؤ اندور سے بھاگ کر جام پہونچا جو بندھیاچل کے دامن میں ایک محفوظ قلعہ تھا اور اپنے شکست خوردہ لشکر کی دوبارہ آراستگی میں مصروف ہوا لیکن گھٹایا کی فوج نے رسد بند کر دی تھی اور ہولکر کے سپاہیوں کو نہ تو خوراک ملتی تھی اور نہ اُنکو تنخواہ دینے کی کوئی سبیل تھی جسونت راؤ نے اپنا تمام ذاتی ساز و سامان فروخت کر ڈالا یہاں تک کہ عورتوں کے زیور بھی الگ کر دیے اور بڑی مشکل سے ہر ایک سوار کو پانچ پانچ روپئے دیکر بقیہ تنخواہ کے لیے آٹھ دن کی مہلت مانگی اور وعدہ کیا کہ اس میعاد کے اندر تمام سپاہیوں کی تکلیفیں دور کر دوں گا -

آخرکار جو کچھ سامان باقی تھا مہیسر بھیجدیا اور صرف سواروں کو ساتھ لے کر [illegible] اُن میں اکثر میلوں کا کوچ کیا اور اچانک رتلام کے سامنے پہونچ کر اس دولتمند شہر کو لوٹ لیا - فوج سے کہا کہ میرا وعدہ پورا ہو گیا تم اس شہر سے جو [illegible] چاہو وصول کر لو - تیرہ دن خوب حشر رہا [illegible] سپاہیوں نے رتلام کو جی بھر کر لوٹا اور جام کی تکالیفوں کا پورا بدلہ [illegible] کر لیا - جب گھوڑوں پر اتنا مال [illegible] کہ اُس سے زیادہ لیجانا ممکن نہ تھا تو اُس نے مہیسر کی طرف کوچ کیا اور فوج سے کہا کہ میرا ملک

دشمنوں کے قبضہ میں ہے۔ سپاہیوں کی تنخواہ دینا میرے امکان سے باہر ہے۔ جو لوٹ مار سے پیٹ بھرنے کو راضی ہو وہ میرے ساتھ رہے اور جو ماہواری تنخواہ چاہتا ہو وہ اپنے گھر چلا جائے۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں"۔ ایسے بلند ہمت اور عالی حوصلہ راجہ کا ساتھ کون چھوڑتا۔ ساری فوج نے جسونت راؤ کی ہمراہی قبول کی!!

رتلام کی تباہی نے دولت راؤ سندھیا کی آنکھیں کھول دیں۔ اب اُسکو سمجھ آئی کہ کاشی راؤ کا ساتھ دینا سخت غلطی تھی اور اُسکی حمایت سے ریاست اُجین کو نفع نہیں پہونچ سکتا ہے اس نے ہولکر کو صلح کا پیام دیا اور کاشی راؤ کو پھیر واپس کر دیا۔

جسونت راؤ نے بھائی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور عزت و آبرو سے رکھا لیکن اسکو بہ نظر حقارت دیکھتا تھا اور کسی صلاح مشورہ میں شریک نہ کرتا تھا۔ ایک مجلس میں کاشی راؤ نے دعوے کیا کہ وہ ہولکر اور سندھیا سے صلح کرا سکتا ہے تو جسونت راؤ نے بگڑ کر کہا کہ "اپنی زبان بند رکھو تو بہتر ہے۔ اگر خدا تم کو عورت بناتا تو ہولکر کے خاندان پر بڑی مہربانی ہوتی، تم دوسرے کے گھر بیاہ جاتے اور وہاں بچے پیدا کرتے لیکن افسوس ہے کہ تم نے مرد کی صورت میں آکر ریاست کا ستیاناس کر دیا!!"

سندھیا نے کاشی راؤ کو واپس کر دیا اور وہ کھنڈی راؤ کو بھی آزاد کرنے پر تیار تھا بشرطیکہ جسونت راؤ اُجین کا علاقہ ان کا چھوڑ دے۔ لیکن ہولکر کو اپنے دو بھائیوں کے خون کا عوض لینا تھا اس لیے صلح پر راضی نہ ہوا۔ اور یہ شرط لگائی کہ سندھیا پہلے وہ علاقہ چھوڑ دے جو اُس نے ہولکر کا دبا لیا ہے تب لڑائی بند کرنے کی بات چیت ہو سکتی ہے۔

اس پیام کا کچھ جواب نہ ملا تو جسونت راؤ نے سندھیا اور پیشوا دونوں کی ریاستیں دن ہاڑے لوٹنا شروع کیں۔ پٹھانوں کو دکن کا علاقہ تباہ کرنے کو بھیجا اور خود شمال کی طرف "چوتھ" وصول کرنے چلا۔

اُس نے نیولی۔ کھرودہ۔ اور مندسور سے "چوتھ" وصول کیا۔ کوٹہ کے حاکم ظالم سنگھ سے سات لاکھ روپیہ لیا۔ اور راجپوتانہ کی ریاستیں ٹونک تک تباہ کر ڈالیں۔ سندھیا کی فوج مقابلہ کو بڑھی تو ہولکر نے اپنا رُخ بدل دیا اور میواڑ میں "ناتھ دوارہ" کا مشہور مندر لوٹ لیا۔ پجاریوں نے ناتھ جی کی مورت اور چار پانچ لاکھ کے جواہرات دوسری جگہ منتقل کر دیے لیکن جو کچھ بچا وہ جسونت راؤ نے صاف کیا اور دو سال کے اندر کئی بار اس مندر پر چڑھائی کی۔ اگر کوئی برہمن معترض ہوتا تو راجہ جواب دیتا تھا کہ "میں تو ناتھ جی سے پرشاد لیتا ہوں مجھ کو کنگال بنا دیا ہے تو میری فوج

کا پیٹ نانا جی کو بھرنا چاہیے"

میواڑ کو لوٹ کر جسونت راؤ رامپورہ کی طرف گیا اور خوش قسمتی سے ہنگلیس گڑھ کے پرانے قلعہ میں اُسکو ایک دفینہ مل گیا۔ اجمیر کے راجہ نے مقابلہ کیا تو اُسکا شہر جلا دیا گیا۔ تھا ڑ میں سندھیا کی جاگیر خاک سیاہ ہوئی اور کھنڈوا جو اُسوقت بھی ایک آباد شہر تھا راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ برہان پور سے بھاری تاوان وصول کر کے وہ خاندیس کی طرف بڑھا اور اپنے عزیز بھائی کی حسرتناک موت یاد کر کے جس راستہ سے گذرتا پیشوا کے علاقوں کو ویران کرتا جاتا تھا۔ اس طرح عالمگیر تباہی کا طوفان بلند کرتا ہوا اور بھائیوں کا داغ دل پر لیے ہوئے وہ پونا کے سامنے پہونچ گیا۔

اللہ اللہ!! وہی جسونت جو پانچ برس پہلے بھائی کی مجروح لاش پونا میں چھوڑ کر تباہ و خستہ حال بھاگا تھا۔ یار اغیار رکھتے۔ دنیا میں کوئی جگہ اُسکے لیے امن کی نہ تھی۔ اُسکا سر پیشوا اور سندھیا کے راضی کرنے کی بہترین تدبیر سمجھا جاتا تھا، آج اس شوکت و دبدبہ سے اُسی قتلگاہ کے سامنے نمودار ہوتا ہے کہ تیس ہزار جرار پسینے پر لہو بہانے کو تیار رہیں، سندھیا لرزہ براندام ہے اور پیشوا کو میدان میں منہ دکھانے کی ہمت نہیں پڑتی!! سچ ہے مالک کی سرکار میں دیر ہو اندھیر نہیں ہے۔ ملہار راؤ کا کا بیگناہ خون رائیگاں نہیں جا سکتا تھا! ایٹوجی کی کچلی ہوئی لاش اپنی بیکسی پر فریاد کر رہی تھی!!

آ! اے بہادر جسونت!! پونا کی دھول اُڑا دے!!!

بیدار ہو!! بمبئی کی تجارتی کمپنی! پیشوا کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دے!!!

دادخواہوں کی بھی نالش کا کوئی دن ہوگا　　　　میرا اور آپ کا انصاف اُسی دن ہوگا

المختصر ۲۵- اکتوبر ۱۸۰۲ء کو پونا کے پاس پیشوا اور سندھیا کی متحدہ فوج سے ہولکر کا مقابلہ ہوا۔ اُس وقت ہولکر کے ساتھ ۲۵ ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے تھے اور پیشوا کی جماعت بھی اس سے کم نہ تھی۔ جسونت راؤ صفیں درست کر کے گھوڑے سے اُتر پڑا اور ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر جنگ کی نگرانی کرنے لگا۔ ساڑھے نو بجے کے قریب سندھیا کے توپخانہ نے آتشباری شروع کی جو تقریباً ڈھائی گھنٹے جاری رہی اور قریب تھا کہ ہولکر کا رسالہ پسپا ہو جائے اُسوقت جسونت راؤ گھوڑے پر چڑھا اور اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ "آج فتح نہ پائی تو دنیا میں پھر کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ جسکو مرنا ہو وہ میرے ساتھ آئے اور جسکو جان عزیز ہو وہ اپنے بیوی بچوں کے پاس بھاگ جائے" یہ کہہ کر اس زور سے حملہ کیا کہ سندھیا کے رسالہ کے قدم اُکھڑ گئے۔ پیادے بھاگنے لگے توپچی کٹ گئے۔ اور بیشمار سپاہی قتل ہوئے۔ سندھیا کا کل توپخانہ اور ذخائر جنگ کے انبار ہولکر کے ہاتھ آئے۔

اور دشمن کے بقیۃ السیف آدمی بڑی مشکل سے زندہ و سلامت جا سکے۔

ہولکر کے خون میں پونا کی وفاداری شامل تھی اور باوجود اپنے دلی صدمہ کے وہ اس متبرک شہر کو اپنے لشکریوں سے پامال کرانا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اُس نے فوج کو شہر میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ اور جب لشکر کا ایک حصہ اُس طرف بڑھنے لگا تو اُس نے توپوں کے فیر سے اپنے خودسر پیرا ہیوں کو پونا کے لوٹنے سے باز رکھا۔

کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں امیر خاں نے زیادہ نمایاں خدمت نہیں کی تھی اور جب وہ مبارکباد کے لیے حاضر ہوا تو جسونت نے جو اُس وقت اپنے زخموں پر پٹی بندھوا رہا تھا مسکرا کر کہا کہ "بھائی آج تم خوب بھاگے"۔ امیر خاں نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ "میری زندگی تھی جو بچ گیا ورنہ گھوڑے کی کلغی ایک گولہ سے اُڑ گئی تھی اور میرے خاتمہ ہونے میں کچھ دیر نہ تھی"۔ ہولکر ہنس پڑا اور بولا کہ "تمہاری خوش نصیبی میں کوئی شبہ نہیں۔ دیکھو گولہ نے گھوڑے کے کانوں کو زخمی نہیں کیا مگر کلغی اُڑا لے گیا"۔ امیر خاں اس جواب سے بہت شرمندہ ہوا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

پیشوا شکست کے بعد فرار ہو گیا اور پونا کا دارالحکومت ہولکر کے قبضہ میں تھا لیکن اُسنے اندور کی تباہی کا عوض نہیں لیا اور چند روز تک کوشش کرتا رہا کہ باجی راؤ کا بھائی امرت راؤ پونا آ جائے تو اُسکو مسند نشین کر کے دار السلطنت اُسکے حوالہ کر دیا جائے۔ بہت سمجھانے بجھانے سے امرت راؤ پونا آیا۔ اُس نے پیشوا کا لقب تو اختیار نہیں کیا مگر اس بنیاد پر کہ باجی راؤ کا پونا سے فرار ہونا استعفیٰ دینے کے برابر ہے سلطنت کا انتظام ہاتھ میں لے لیا۔ انگریزوں کی طرف سے ایک سفیر پونا میں رہتا تھا اُس نے یہ کارروائی پسند نہ کی اور بمبئی چلا گیا۔ پیشوا بھی گرتا پڑتا بمبئی پہنچا اور وہاں کی تجارتی کمپنی سے وہ معاہدہ کیا جو ہندوستان کی تاریخ میں "صلحنامہ بسین" کے نام سے مشہور ہے اور جسکے ذریعہ سے باجی راؤ نے چھ ہزار انگریزی فوج اپنے ملک میں رکھنے کی اجازت دے کر پونا کی خودمختاری کا خاتمہ کر دیا!! اُس نے ۲۶ لاکھ کا علاقہ اُس فوج کے صرف کے لیے انگریزوں کی نذر کیا اور یہ بھی وعدہ کر لیا کہ وہ آئندہ کسی سلطنت سے انگریزوں کی اجازت کے بغیر جنگ و صلح نہ کرے گا۔

یہ شرائط ایسے افسوسناک تھے کہ مرہٹوں کا انگریز مورخ گرانٹ ڈف بھی اس معاہدہ کو شرمناک سمجھ کر لکھتا ہے کہ "پیشوا نے اپنی حفاظت کی قیمت میں ملک کی خودمختاری کو قربان کر دیا"[1]

[1] تاریخ مرہٹہ۔ جلد سوم۔ صفحہ ۲۲۶۔

یہ صلحنامہ ۳۱ - دسمبر ۱۸۰۲ء کو مکمل ہوا اور سندھیا کو اس معاہدہ نے سخت قلق پہونچایا - اُس نے سوچا کہ ایسے ہی دو ایک عہدنامے اور ہوئے تو سب مرہٹہ سرداروں کی حکومت ختم ہو جائیگی - اور انگریزوں سے شکایت کی کہ اُسکے مشورہ کے بغیر "صلحنامہ پورن دھر" منسوخ کرنا نہ چاہیئے تھا - بھونسلا اور سندھیا جنگ کی تیاری کرنے لگے اور باجی راؤ بھی درپردہ سازش[1] میں شریک تھا

ہولکر کو اس معاہدہ سے بہت رنج ہوا - اور اُس نے پونا کو لوٹنا اور تباہ کرنا شروع کیا جس سے وہ ابھی تک محترز رہا تھا - جس قدر مال فراہم ہوسکا لیکر وہ تومالوہ واپس گیا اور انگریزوں کی فوج باجی راؤ کو مسند پر بٹھانے کے لیے پونا کی طرف بڑھی -

۱۳ - مئی ۱۸۰۳ء کو باجی راؤ انگریزی تلواروں کے سایہ میں پونا پہونچا اور امرت راؤ فرار ہوگیا کچھ عرصہ تک تو اُس نے ناسک میں لوٹ مار کی - پھر انگریزوں سے صلح کرکے آٹھ لاکھ سالانہ کی پنشن قبول کرکے بنارس چلا گیا جہاں اُسکی زندگی کا خاتمہ ہوا - باجی راؤ کو بھی یہی دن جلد دیکھنا تھا مگر فی الحال وہ پیشوا ہوگیا - اور سندھیا کی لڑائی کا تماشہ دیکھنے لگا -

سندھیا اپنی فوج لیے ہوئے برہان پور میں پڑا تھا اور بھونسلا اُسکی امداد کے لیے تیار ہورہا تھا اور یہ دونوں جسونت راؤ کو اپنا شریک بنانا ضروری سمجھتے تھے - ہولکر کا جس قدر علاقہ سندھیا کے قبضہ میں تھا واپس کردیا گیا اور مظلوم "کھنڈی راؤ" بھی جو اپنی پیدائش کے وقت سے سندھیا کا قیدی تھا آزاد کردیا گیا - لیکن جسونت راؤ کو اب بھی سندھیا کی نیک نیتی پر اعتبار نہ تھا اور اُسکو شبہہ تھا کہ موقع پاکر دشمن اُس سے پونا کی بربادی کا انتقام لیں گے -

ہولکر اسوقت مہیسر میں تھا - دولت راؤ نے لکھا کہ وہ اپنی فوج کا کچھ حصہ دکن کی طرف بھیجدے تاکہ دونوں طرف سے انگریزوں کی کمپنی پر شہ پڑے - امیرخاں کا رسالہ نربدا پار بھیجا گیا - اور آخری کشتیوں میں خود جسونت راؤ امیرخاں کے ساتھ دریا کو عبور کرنے لگا - مگر اُسی وقت ان دونوں میں معلوم نہیں کیا گفتگو ہوئی کہ دوسرے ہی دن امیرخاں کا رسالہ واپس بلا لیا گیا اور جسونت راؤ نے سندھیا کی مدد سے انکار کردیا -

درحقیقت جسونت راؤ کو اُس طرز جنگ سے اختلاف تھا جو سندھیا اور بھونسلا انگریزوں کے

---

[1] پونا کی پیشوائی ختم ہونے کے بعد راج محل میں چند خطوط باجی راؤ کے لکھے ہوئے دستیاب ہوئے تھے - جو اس دعوے کو ثابت کرتے ہیں -

خلاف عمل میں لانے والے تھے - وہ ملہر راؤ کی قدیم نصیحت کا قائل تھا کہ مرہٹوں کو تیغے گاڑ کر لڑائی لڑنا مناسب نہیں ہے - اُنکی کامیابی اُسی وقت تک ہے کہ وہ لوٹ مار کے دھاوے کرتے رہیں اور جم کر کسی جگہ نہ لڑیں -

اُس نے سندھیا کو صلاح دی کہ وہ توپ خانہ، پیادہ فوج، اور خیمہ و خرگاہ مالوہ میں چھوڑ دے اور صرف سواروں کی مدد سے انگریزوں پر چھاپے مارے اور اُنکی کمپنی کو ویسا ہی زچ کرے جیسا کہ کسی وقت میں اُسکے آباؤ اجداد نے اورنگ زیب کو زندگی سے عاجز بنا دیا تھا

سندھیا نے اس تجویز پر عمل نہ کیا اور لڑائی کا وہ افسوسناک انجام ہوا جو ہندوستان کی تاریخ میں "مرہٹوں کی دوسری لڑائی" کے نام سے مشہور ہے - اس تباہی کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن اس کا خاص سبب یہ تھا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے نواب گورنر جنرل بہادر نے ایک اشتہار جاری کر دیا تھا کہ "سندھیا کے لشکر میں جس قدر انگریزی رعایا ہے وہ دشمن کا ساتھ چھوڑ کر چلی آئے تو اُسکو وہی تنخواہ ملیگی جو ریاست کے خزانہ سے دیجاتی ہے - اور یہ رعایت صرف انگریزی رعایا ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ یوروپ کے کل باشندوں کو جو سندھیا کی فوج میں ملازم ہوں اس اعلان سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہے"[1]

سندھیا کی تو ساری فوج میں بیشتر سردار انگلستان یا یوروپ کے دیگر ممالک کے باشندے تھے - لڑائی کے وقت سب نے اپنے آقا کا ساتھ چھوڑ دیا - اور مرہٹوں کی فوج بے سری ہو گئی !!

سندھیا کا بہترین علاقہ شمالی ہند میں تھا - اور وہاں کی فوج کا سردار اعلیٰ ایک فرانسیسی افسر پیرن نام تھا - اُس نے لڑائی سے پہلے ہی انگریزوں سے خفیہ نامہ و پیام[2] شروع کر دیے تھے - اسکی بدنیتی یا غفلت سے علیگڈھ کا مضبوط قلعہ کمپنی کے قبضہ میں آگیا - اور یہ بے وفا افسر عزت کے ساتھ کلکتہ پہنچا دیا گیا !!

آخرکار مالوہ کا علاقہ بچانے کے لیے سندھیا کو دب کر صلح کرنا پڑی - ۳۰ دسمبر ۱۸۰۲ء کو سرجی انجن گاؤں کے پاس عہد نامہ لکھا گیا، اور سندھیا کا تمام شمالی علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تصرف میں آیا - دہلی مرحوم کا شہر کہ وہ بھی فاتح کے حصہ میں آیا اور شاہجہاں کا نصیب

---

[1] گرانٹ ڈف تاریخ مرہٹہ - جلد سوم - صفحہ ۲۴۲

[2] گرانٹ ڈف تاریخ مرہٹہ - جلد سوم صفحہ ۲۴۹

جانشین مرہٹوں کی حفاظت سے نکل کر انگریزوں کی پناہ میں پہونچا - اس تباہی کے دور میں قدیم شاہنشاہی شہر دہلی کا نام قلم کو خون کے آنسو رولاتا ہے - تذکرہ

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ ۔ نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

اب دولت راؤ نے کھو کر سیکھا کہ ہولکر کا مشورہ درست تھا اور انگریزوں سے لڑائی مرہٹوں کے قدیم اصول پر مناسب تھی - لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور چڑیاں کھیت کو چگ چکی تھیں اُس نے جسونت راؤ سے نامہ و پیام شروع کیا - اور یہ بہادر اپنی قدیم عداوت فراموش کر کے سندھیا کی حمایت پر مستعد ہوا - اس نے سندھیا کی اجازت لیکر مندسور سے چندہ وصول کیا اور جنگ کے لیے تیار رہوا -

لڑائی شروع کرنے سے قبل اُس نے انگریزی فوج کے سپہ سالاروں کو اپنے مطالبات لکھ کر بھیجے جن میں سے اول یہ تھا کہ ہولکر کو ہندوستان میں "چوتھ" وصول کرنے کا اختیار دیا جائے - دوسرا یہ تھا کہ اُسکی خاندانی جاگیر جو دوآبہ[1] میں واقع تھی واپس کی جائے اور آخری مطالبہ یہ تھا کہ ریاست اندور کے استحکام کی ضمانت کی جائے - اسی کے ساتھ دھمکی بھی تھی کہ اگر اُسکے شرائط نامنظور کیے گئے تو "ہولکر کا گھر گھوڑے کی پیٹھ پر ہے اور جس طرف اُسکے سوار باگ موڑیں گے اُدھر کی دنیا تباہ ہو جائے گی"!

ایسٹ انڈیا کمپنی کا آفتاب اقبال اُسوقت عروج پر تھا - چڑھتی دھوپ میں یہ ٹھنڈی گرمیاں کیونکر برداشت ہو سکتی تھیں - انگریزی فوج نے ہولکر کی ریاست پر حملہ کرنے کی رائے قائم کر لی -

ہولکر نے سندھیا کے تجربے سے سبق لیکر اپنی فوج کے تین انگریز افسروں کو جو اُسکی ملازمت چھوڑنے یا بغاوت کرنے پر تیار تھے - مئی ۱۸۰۴ء میں قتل کر دیا - اور اس خبر نے کمپنی کی آتشِ غضب پر تیل چھڑکا !!

انگریزوں کا کرنل جے پور کی طرف بڑھا کیونکہ اُسوقت ہولکر اجمیر میں تھا - اور اُسکی فوج کا بڑا حصہ جے پور کی سرحد پر خیمہ زن تھا - ہولکر نے اپنے آبائی اصول کے مطابق حملہ کر کے لڑنا مناسب

[1] اٹاوہ وغیرہ بارہ اضلاع چنبل اور جمنا کے درمیان ٹوکوجی ہولکر کے وقت سے اندور کی ملکیت تھے مگر موقع پاکر شجاع الدولہ نے ان پر قبضہ کر لیا تھا - اور بعد کو نواب سعادت علی خاں وزیر اودھ نے یہ اضلاع سرکار کمپنی بہادر کے نذر کر دیے تھے -

نہ سمجھا اور پیچھے کی طرف ہٹا۔ یہاں تک کہ چمبل کو عبور کرکے اپنی ریاست میں داخل ہو گیا۔ انگریزوں نے ٹونک اور رامپورہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اسکے جواب میں امیر خاں نے بندیلکھنڈ میں کمپنی کی فوج کو بھگا دی[1]۔ اور چند توپیں چھین لیں۔

ہولکر برابر ہٹتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن موقع پاکر اُس نے کمپنی کے فوجی سردار کرنل مانسن کو بے موقع گھیر لیا۔ اب تختہ اُلٹ گیا۔ کرنل شمال کی طرف بھاگنے لگا۔ اور ہولکر نے تعاقب شروع کیا۔ مانسن بھاگتا ہوا کوٹہ تک پہونچا۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ وہاں کے حاکم ظالم سنگھ نے انگریزوں کو مدد دی یا نہیں۔ انگریز لکھتے ہیں کہ رانا نے نہ تو فوج کو اپنے ملک میں داخل ہونے دیا اور نہ اُسکو رسد پہونچائی۔ لیکن جسونت راؤ کے پاس یہ باور کرنے کے وجوہ ہونگے کہ کوٹہ نے کرنل مانسن کی اعانت کی۔ اور اس قصور پر اُس نے ظالم سنگھ پر دس لاکھ روپیہ جرمانہ کیا۔

بہر حال انگریزی فوج بہزار خرابی دریائے چمبل کی طرف بڑھی۔ اپنے ذخائر جنگ تباہ کر دیے اور توپیں راجہ بوندی کے سپرد کر دیں۔ بڑی مشکل سے دس دن میں یہ فوج چمبل کو عبور کر سکی۔ بہت سے سپاہی دریا میں غرق ہو گئے۔ اور سب سے دردناک یہ ماجرا تھا کہ انگریزی سپاہیوں کے بیوی بچے جو عجلت اور سراسیمگی میں دریا کے اس پار رہ گئے تھے۔ بھیلوں کے قبضہ میں آ گئے۔ اور اُنھوں نے سخت بے رحمی سے اُن سب کو ہلاک کیا۔ سپاہی جو دریا کے پار پہونچ چکے تھے[2] اپنی آنکھوں سے یہ تباہی دیکھتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے !!

ہولکر بھی چمبل کو عبور کرکے انگریزوں کے تعاقب میں ہندوستان پہونچا۔ کرنل نے تمام سامان چھوڑ دیا اور خوشحال گڈھ میں پناہ لی جو اُسوقت راجہ جے پور کے قبضہ میں تھا۔ جسونت راؤ نے یہاں بھی پیچھا کیا تو کرنل آگرہ کی طرف بھاگا اور اُسکے باقیماندہ سپاہی بہت بے سروسامانی کے ساتھ ۳۱ - اگست سنہ ۱۸۰۴ء کو آگرہ میں داخل ہوے۔

ہولکر کے پاس اسوقت ۶۰ ہزار سوار ۱۵ ہزار پیدل اور ۱۹۲ توپیں تھیں وہ متھرا پہونچا تو انگریزوں کو یہ شہر بھی خالی کرنا پڑا۔ اگر وہ اسوقت آگرہ پر حملہ کر دیتا تو کمپنی کی فوجی قوت کا خاتمہ تھا مگر اُسکے ہمراہیوں نے دہلی پر چڑھائی کرنے اور بادشاہ کو قبضہ میں لانے کی صلاح دی۔ اور یہ مشورہ جسونت راؤ کے حق میں زہر قاتل ہو گیا۔ مرہٹوں کو دارالسلطنت کا محاصرہ

[1] ڈف گرانٹ تاریخ مرہٹہ - جلد سوم صفحہ ۲۷۷

[2] ڈف گرانٹ تاریخ مرہٹہ - جلد سوم صفحہ ۲۸۱

کرنا پڑا۔ کمپنی کو طاقت سنبھالنے کا وقت مل گیا۔ ہولکر کو تنگ ہو کر دلی سے فوج ہٹانا پڑی اور پھر بازی کا نقشہ بدل گیا۔ ہولکر پسپا ہوا اور انگریزوں نے تعاقب شروع کیا۔ شاملی کے مقام پر اُس نے کمپنی کے ایک فوجی دستہ کو تنگ کیا اور دوآبہ کے دیہات کو خوب لوٹا۔ لیکن ڈیگ کے قلعہ کے پاس وہ بُری طرح گھر گیا اور اُسکی ۸۷ توپیں چھن گئیں۔ فرخ آباد کے مقام پر پھر انگریزوں نے آدبایا۔ اور قبل اسکے کہ ہولکر لڑائی کے لیے تیار ہو پائے اُسکے تین ہزار سپاہی قتل ہو گئے۔ مجبوراً وہ ڈیگ کے قلعہ میں محصور ہوا اور پہلی دسمبر ۱۸۰۴ء کو جنرل لیک نے اس گڑھی کا محاصرہ شروع کیا۔ جب یہاں بھی امن نصیب نہ ہوا تو ہولکر بھرت پور کی طرف ہٹا۔ اور وہاں کے مشہور قلعہ میں پناہ لی۔

ہولکر ادھر لڑائی میں مصروف تھا اور مالوہ میں اُسکی ریاست کی حفاظت کے لیے کچھ فوج نہ تھی۔ انگریزوں نے دکن سے اپنے لشکر کو حرکت دے کر ہولکر کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا اور بمبئی کے ایک رسالہ نے گجرات سے آکر اندور پر اپنا پھریرا اُڑا دیا۔

۲۵۔ جنوری ۱۸۰۵ء سے بھرت پور کا محاصرہ شروع ہوا جو چار مہینے تک قائم رہا اور قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ انگریزی فوج کو بہت نقصان پہونچا اور انکے ۳۲۰۳ آدمی مارے گئے۔ جن میں سے ۱۰۳ یوروپین افسر تھے۔ آخر کار محاصرہ کے شدائد سے عاجز آکر راجہ بھرت پور نے صلح کے لیے نامہ و پیام شروع کیا۔ اور ہولکر کو مجبور ہو کر بھرت پور سے رخصت ہونا پڑا۔ وہ دولت راؤ سندھیا کی طرف گیا جہاں اُس کا نہایت خلوص سے استقبال کیا گیا اور انگریزوں سے باعزت صلح کرا دینے کا وعدہ کیا گیا۔ مگر جسونت راؤ ابھی ہمت نہ ہارا تھا۔ وہ اپنی فوج اور توپخانہ لیکر اجمیر کے راستہ سے پنجاب کی طرف چلا تا کہ سکھوں اور افغانوں کی مدد لیکر انگریزوں سے ایکبار پھر مقابلہ کرے۔ مگر اُس کی قسمت کا ستارہ زوال پر تھا۔ سکھوں نے کچھ مدد نہ کی اور انگریزی فوج نے اُسکی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔ ناچار ہولکر صلح پر راضی ہوا اور دریائے بیاس کے کنارے راجپوت گھاٹ کے قریب صلحنامہ لکھا گیا۔ جسکے رو سے اُسکی مالوہ کی کل ریاست اور دکن کے بیشتر مقبوضات واپس کیے گئے۔ اور بغیر کسی تاوان کے ادا کیے ہوئے اُسکو جنوب کی طرف جانے کی اجازت دی گئی۔

جھکی ذرا چشمِ جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

چند مہینوں کی لڑائی نے ہولکر کو بہت نقصان پہونچایا۔ اُسکے سپاہی قتل تو کم ہوئے لیکن بہت سے دغا دیکر فرار ہوگئے۔ یہ محض اُسکی بہادری کا دبدبہ تھا کہ کمپنی سے باعزت صلح ہوئی۔ ورنہ اُسکی فوج میں لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔

بہرحال پنجاب سے واپس آکر وہ ایک مہینہ کے قریب جے پور میں مقیم رہا۔ اور وہاں کے راجہ سے آٹھ لاکھ روپیہ وصول کیا۔ جب وہ اجمیر پہونچا تو میواڑ یا مارواڑ کا راجہ مان سنگھ جسونت راؤ کے اہل و عیال لیکر حاضر ہوا۔ جو پنجاب کی طرف جاتے ہوئے اُسکے سپرد کر دیے گئے تھے۔ اس خدمت کے صلہ میں اُس نے ہولکر کی امداد راجہ جے پور کے خلاف چاہی تاکہ رانا اودے پور کی خوبصورت لڑکی سے جودھ پور کی شادی ہو جائے۔ ہاتھی ہزار لٹے تب بھی لاکھ ٹکے کا!! جسونت راؤ کا اب بھی وہ دبدبہ تھا کہ اُس کی امداد پر راجہ جودھ پور کو اصرار تھا اور اُدھر راجہ جے پور اٹھارہ لاکھ روپیہ دینے کو تیار رہتا، بشرطیکہ ہولکر اُسکی اعانت کرے!!

اتفاق سے اسی زمانہ میں ہولکر کی فوج نے بغاوت کر دی اور یہ بہانہ لیکر جسونت راؤ نے فریقین کی امداد سے انکار کر دیا۔ فوجی بغاوت کا سبب تھا کہ جسونت راؤ نے اپنا خرچ گھٹانے کے لئے دکھنی سواروں کو برخاست کرنا چاہا۔ انھوں نے بقیہ تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ جسونت راؤ نے غلطی سے اپنے بھتیجے کھنڈی راؤ کو بطور ضامن کے انکے سپرد کر دیا۔ انھوں نے موقع پاکر کھنڈی راؤ کو جسکے نام سے امور سلطنت انجام پاتے تھے واقعی راجہ بنانے کی کوشش کی۔ لڑکا عقلمند تھا۔ اُس نے فوجی سرداروں سے کہا کہ "تم میری خرابی کی فکر میں ہو۔ چند روز میں تمھاری تنخواہ مل جائے گی اور تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤگے" مگر کسی نے نہ سنا۔ آخرکار وہی واقعہ ہوا جو اُس لڑکے کا خیال تھا۔ جے پور سے جو روپیہ وصول ہوا تھا وہ جسونت راؤ نے فوج کو تقسیم کر دیا۔ سپاہی اپنی جیبیں بھر کر گھر کو رخصت ہوئے اور ایک ہفتہ کے اندر کھنڈی راؤ کا خاتمہ ہو گیا!! بلکہ چند روز کے بعد کاشی راؤ اور اُسکی بیوی بھی قتل کر دیے گئے!!!

اس بغاوت کے دوران میں امیر خاں نے بھی اپنے حقوق یاد دلائے اور وہ قدیم تحریر پیش کی جسکے رُو سے تمام مفتوحہ علاقوں میں وہ نصف کا حصہ دار تسلیم کیا گیا تھا۔ جسونت راؤ نے اپنی شرافت سے ٹونک کی جاگیر نواب کو عنایت کی اور کوٹہ کا خراج بھی اُسی کو عطا فرمایا لیکن ظاہری طور پر اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا تاکہ امیر خاں راجہ جے پور کا نوکر ہو جائے اور اپنی تلوار کی طاقت سے رانا اودے پور کی لڑکی اُسکو دلائے!!

مہارانا کی لڑکی کرشن کنور حسن و جمال میں اپنے وقت کی پدمنی تھی۔ وہ پہلے بھیم سنگھ راجہ

جودھ پور سے منسوب تھی مگر شادی سے قبل اُس کا منگیتر مر گیا۔ اور مان سنگھ وارث ہوا تو اُس نے اپنے پیشرو کی منسوبہ سے شادی کرنا چاہی۔ اُدھر جے پور کا راجہ جگت سنگھ اس خوبصورت اور نازک کی دیبی پر غائبانہ عاشق تھا۔ مہارانا نے جے پور کو جودھ پور پر ترجیح دی۔ مگر مان سنگھ نے لڑائی چھیڑ دی۔ سندھیا نے جودھ پور کی مدد کی۔ جے پور نے امیر خاں کی امداد حاصل کی۔ اور دونوں ریاستیں باہمی خانہ جنگی سے تباہ ہو گئیں۔ مان سنگھ کو شکست ہوئی۔ راج پاٹ چھن گیا۔ اور دھونکل سنگھ اُس کا جانشین ہوا۔ امیر خاں جے پور کا ساتھ چھوڑ کر مان سنگھ سے مل گیا اور اُسکو دوبارہ ریاست و حکومت دلائی۔ جنگ ختم کرنے کے لیے جے پور سے اس طرح صلح کرائی کہ جگت سنگھ کی شادی مان سنگھ کی لڑکی سے اور مان سنگھ کا بیاہ جگت سنگھ کی بہن سے کرا دیا۔ یہاں تک تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ مگر ستم یہ کیا کہ ان دونوں کی عزت برقرار رکھنے کے لیے رانا کی مابہ النزاع لڑکی کی جان لینا چاہی! اودیپور کا ایک رکن سلطنت ان قاتلوں کا ہمخیال ہو گیا۔ اور رانا کی بہن چاند بائی نے زہر کا پیالہ کرشن کنور کے سامنے پیش کیا، اور عاجزی سے کہا کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر کے باپ کی عزت بچائے!! اپنے چاہنے والوں کی الفت کا کشتہ کشن کنور زہر کا پیالہ نوشجاں کر گئی اور بولی کہ "یہی بیاہ میری تقدیر میں لکھا تھا"!!!

یہ حسرت انجام ڈراما اس طرح ختم ہوا تسلسل داستان کے لیے ہم نے سارا قصہ اسی جگہ درج کر دیا، ورنہ اسکے آخری سین تو کئی برس کے بعد دکھائے گئے تھے!!!

غرض امیر خاں سے قطع تعلق کر کے ہولکر بھپورہ پہونچا۔ اور توپیں ڈھالنے کا کارخانہ قائم کیا۔ وہ خود دن بھر کام میں مصروف رہتا اور اکثر گلا ہوا پیتل اپنے ہاتھ سے سانچوں میں ڈالتا تھا۔ چار مہینہ کے اندر پیتل کی دو سو توپیں اُس نے تیار کر لیں۔ فوجی نظام میں اصلاح کی۔ سپاہیوں کی ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں اُسکے ملازم فوج کے لیے گھوڑے خریدنے لگے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی عظیم الشان جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ اور قسمت ساتھ دیتی تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کر گزرتا!! مگر شراب خواری کی افراط اور کارخانہ کی سخت محنت نے اُسکے دماغ پر اثر کیا۔ پہلے حافظہ بگڑا۔ مزاج میں غصہ بڑھا۔ پھر یہ حالت ہوئی کہ وہ اشارے پر کام چاہتا تھا اور ایک منٹ کی دیر سے بے قابو ہو جاتا تھا۔ وہ صبح ہوتے ہی فوج کی قواعد دیکھتا۔ سواروں سے پیادوں پر حملہ اور توپوں سے آتشباری کی مشق کراتا تھا۔ روزانہ دوبار مصنوعی جنگ ہوتی تھی، لیکن دماغ روز بروز بگڑتا جاتا تھا اور آثار جنوں ظاہر ہوتے جاتے تھے۔

جسونت راؤ کو اپنی کمزوری کا خود احساس تھا اور وہ اپنے دیوان ٹپام سیٹھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ "ایک وقت جو بات میں کہتا ہوں دوسرے وقت یاد نہیں رہتی۔ میرے دماغ کا علاج ہونا چاہیے" لیکن اسکے رعب و داب سے کسی کو بولنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اور جبتک مرض قابل علاج تھا کوئی دوا نہیں کی گئی!!

ایک رات محلسرا میں غل مچا۔ رانیاں اور باندیاں باہر نکل آئیں۔ دیوان بلایا گیا۔ اور معلوم ہوا کہ راجہ مجنون ہوگیا۔ اور کپڑوں کی گٹھڑی میں اپنا بدن چھپائے بیٹھا ہے۔ ۲۰-۳۰ آدمیوں نے مل کر بمشکل گرفتار کیا۔ اور رسیوں سے باندھ کر دوسرے کمرہ میں لے گئے۔ رات پریشانی میں گزری اور صبح کو سارے شہر میں یہ افسوسناک خبر مشہور ہوگئی۔ تین دن کے بعد راجہ کو ہوش آیا تو اُس نے کہا کہ "میرے بھائی امیرخاں کو بلاؤ۔ مجھکو وہی اچھا کر سکتا ہے" امیرخاں کو خبر بھیجی گئی اور وہ اپنے قدیم آقا کی خدمت میں فوراً حاضر ہوا اور ایک حکیم کو بھی ساتھ لایا۔ طبیب نے چند روز کے بعد علاج سے انکار کردیا اور کہا کہ تیماردار غفلت کرتے ہیں۔ جو پرہیز بتایا جاتا ہے اُس پر عمل نہیں ہوتا، اور بیمار کو وہی غذا دی جاتی ہے جسکی ممانعت کی جائے۔

دولت راؤ سندھیا نے بھی ایک بید علاج کے لیے بھیجا۔ مگر جسونت راؤ نے اُسکا مضحکہ اُڑایا۔ اور اتنا ستایا کہ وہ بھاگ گیا۔

المختصر سب تدبیریں اُلٹی ہوئیں اور دوا نے کچھ کام نہ کیا۔

از دوا کردن مرضہا می فزود ‫ ‬ روغن بادام خشکی می نمود

سال بھر تک جنون کا زور رہا۔ اور اسکے بعد راجہ بالکل خاموش اور لایعقل ہوگیا۔ تین برس اسی حال میں گزرے۔ آخر ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۱۱ء کو بھوپرہ کے مقام پر یہ بلند ہمت راجہ اپنی زندگی کا کام ناتمام چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اور اُسکی آشنا تلسا بائی جو دیوانگی سے پہلے منتظم ریاست تھی پورے طور پر صاحب اختیار ہوگئی۔

جسونت راؤ کا قد میانہ، جسم نہایت مضبوط، اور رنگ سیاہ تھا۔ ایک آنکھ ضایع ہوجانے سے صورت کسی قدر بگڑ گئی تھی لیکن چہرہ پر ہر وقت خوشی نمایاں رہتی تھی۔ اُسکی گفتگو میں جوش پیدا کرنے کی تاثیر تھی۔ اور اسکے پاس بیٹھنے والا کبھی افسردہ خاطر نہ ہوتا تھا۔ وہ کافی تعلیمیافتہ تھا۔ فارسی سمجھ سکتا تھا۔ مرہٹی بے تکلف لکھتا تھا۔ حساب کتاب میں خاصی مہارت تھی۔ گھوڑے کی سواری اور نیزہ بازی میں اُسکا جواب نہ تھا۔ اُس کی بہادری ضرب المثل تھی

پونا کی لڑائی میں سندھیا کے توپخانہ پر حملہ کرتے وقت زخمی ہوا - اور ایک توپچی نے اسکو گھوڑے سے اُتارنا چاہا لیکن باوجود سخت جراحت کے توپچی سے دست وبغل ہوگیا اور کشتی لڑتا رہا - یہاں تک کہ اُسکے ہمراہی آپہونچے - توپچی قتل کیا گیا - اور راجہ گرفتاری سے محفوظ رہا -

اُسکی زندگی کے انقلابات فسانۂ عبرت کے ورق ہیں اور انگریزی کی وہ مشہور مثل ثابت کرتے ہیں "کہ "خدا صرف اُن لوگوں کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد کریں" - وہ کبھی پونا سے بے یار و مددگار بھاگتا ہے اور کبھی اُجین کا دارالریاست تباہ کرتا ہے! کبھی اندور کے میدان سے فرار ہوتا ہے اور کبھی ایک لاکھ فوج لیکر ہندوستان پر چڑھائی کرتا ہے -

اُس پر غارتگری اور لوٹ مار کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن پیشوا اور سندھیا کے مظالم کوئی نہیں دیکھتا!! وہ اپنے پیشرو ملہر راؤ ہولکر کی تقلید میں مرہٹوں کی عالمگیر سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا اور اسکا کوئی ذریعہ سوائے چھاپے مارنے اور اچانک دھاوے کرنے کے نہ تھا - یہ قسمت کے کھیل ہیں کہ ملہر راؤ کو مغلوں سے سابقہ پڑا - جنکی زندگی کے دن پورے ہوچکے تھے اور اس لیے وہ کامیاب ہوا - برخلاف اسکے جسونت راؤ کو انگریزوں سے لڑنا پڑا - جنکی قوت وشوکت کا سورج چڑھ رہا تھا - اور وہ دن قریب تھا کہ انکی مملکت میں آفتاب کا غروب ہونا ہی ممنوع ہوجائے - اس وجہ سے وہ ناکام رہا - کوشش اور ہمت دونوں نے یکساں کی - بہادری اور سپہگری کے ہنر دونوں نے یکساں دکھائے لیکن تقدیر کے فرشتہ نے مغلوں کی سلطنت تو تباہ کی مگر انگریزی راج کو ہندوستان میں امن قائم کرنے کے لیے مستحکم کردیا -

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و من در کوچہا رسوا شدم

تلشا بائی اور ملہر راؤ دوم

ملہر راؤ ہولکر نے مدبری و دانشمندی سے ریاست اندور کا بنیادی پتھر رکھا۔ اہلیا بائی کی جفاکشی و رعایا پروری، تکوجی کی شجاعت اور محسن شناسی نے ایک مختصر ریاست کو سلطنت کا ہم پلہ بنایا۔ اور بہادر جسونت راؤ نے عالی ہمتی اور استقلال سے اپنی فوجی قوت کا دبدبہ تمام ہمعصر فرماں روایانِ ہند کے قلوب پر بٹھا دیا۔ یہ داستان کسی قدر تفصیل سے بیان ہو چکی اور ناظرین اُس سے کافی لطف اُٹھا چکے۔ اب تباہی کی دردناک کہانی سننا چاہیے۔

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر   اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

مانڈو میں عجیبا نام ایک فقیر رہتا تھا، جسکی کرامات و ریاضات کی قرب و جوار میں شہرت تھی۔ اُسکی ایک لڑکی "تلشا بائی" حسن و جمال میں بے نظیر اور "چندے آفتاب چندے مہتاب" تھی۔ خوبصورتی کی داستان بادِ صبا کے دوش پر چلتی ہے! جسونت راؤ ہولکر نے یہ خبر سُنی اور غائبانہ عاشق ہو گیا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد   بسا کیں دولت از گفتار خیزد

یہ پیکرِ حُسن دوسرے کی ملکیت ہو چکی تھی۔ مگر جسونت راؤ کے کارپرداز مصاحب جو زمانہ حال کے "مانگریوں" سے زیادہ خوش تدبیر تھے، حکمت عملی سے اُس پری کو اُڑا لائے۔ شوہر قید کیا گیا اور تلشا بائی رنواس میں داخل ہو گئی۔ چند روز کے بعد بیوی کی سفارش سے مستعفی شوہر کو آزادی ملی۔ وہ گھوڑا، خلعت اور نقد لے کر دکن کی طرف راہی ہوا اور تلشا بائی جسونت راؤ کے دل پر فتح کامل حاصل کر کے اندور کی نور جہاں بن گئی۔!!

شب وصل کی گھڑیاں بہت جلد کٹ جاتی ہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں راجہ کے دماغ میں فتور پیدا ہوا۔ اور دیوان ریاست بلرام سیٹھ نے انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اُس وقت تلشا بائی کی حکومت محل میں اتنی راسخ ہو چکی تھی کہ دیوان اس تصویرِ حسن کے اشاروں پر کام کرنے کو مجبور تھا۔ تمام بدعنوانیاں اور انتظامی خرابیاں دیوان کے سر تھوپی جاتی تھیں، مگر در اصل وہ اسی خوبصورت ناگن کے احکام کا ثمرہ ہوتی تھیں۔

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند   آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں میگویم

اهلیا بائی کی یاد مرہٹوں کے دلوں میں ہنوز تازہ تھی اسلیئے تلشا بائی کا در پردہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینا رعایا کو کچھ انوکھا نہ معلوم ہوا- وہ روزانہ دربار کرتی مگر اہلیا بائی کی طرح بے نقاب سب کے سامنے نہ آتی تھی- چلمن ڈال کر اجلاس کرتی[1] اور وزیروں افسروں سے مینا بائی[1] کی معرفت گفتگو ہوتی تھی-

ابتدا میں اُس نے بلرام سیٹھ پر پورا اعتبار کیا اور جسونت راؤ کا شریکِ غم و شادی نواب امیر خاں بلرام کی حمایت پر تھا- تلشا کی حکومت خوب جم گئی- مگر کچھ عرصہ کے بعد فوج رانی کے احکام سے بیزار ہوئی- سپاہیوں نے مشہور کیا کہ دشمنوں نے جادو سے جسونت راؤ کو دیوانہ بنا یا ہے- اور موقع پا کر مجنون راجہ کو اپنے کمپ میں اٹھا لے گئے- امیر خاں نے بمشکل اس بغاوت کو فرو کیا- لیکن اپنی ذاتی ضروریات سے اُسکو بہت جلد راجپوتانہ واپس جانا پڑا- اور وہ اپنی طرف سے ایک مسلمان غفور خاں کو جو اُسکا ہمزلف بھی تھا بطور نائب کے دربار اندور میں چھوڑ گیا- بلرام سیٹھ نے غفور خاں کو نوابؔ کا خطاب دیا- اور بیس ہزار روپیہ کی جاگیر اُسکو عطا کی- جسکے عوض میں نئے نواب نے ریاست کی حفاظت کے لیے ہزار سوار مہیا رکھنے کا وعدہ کیا-

جسونت راؤ کے آخری زمانہ میں ریاست کی مالی حالت بہت درست ہو گئی تھی- دس لاکھ روپیہ نقد خزانہ میں موجود تھا اور فوج باقاعدہ مرتب تھی- بلرام نے راجہ کے مخبوط ہونے کے بعد ریاست کے ایک قدیم ملازم دھرما کنور کو کرنیل کا خطاب دیکر کُل فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا لیکن اس محسن کش نے بلرام کو معطل کر کے حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہی- اُس نے جسونت راؤ، تلشا بائی اور دوسری رانیوں کے ڈیروں پر سپاہی تعینات کر دیے اور حکم جاری کیا کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی شخص ان لوگوں سے نہ مل سکے- تلشا بائی یہ قید کیونکر گوارا کر سکتی تھی اُس نے غفور خاں سے مدد مانگی اور نواب نے حکمت عملی سے فوج کو دھرما کے خلاف کر دیا- سپاہیوں نے بقایا تنخواہ کا تقاضا کیا اور جسونت راؤ کے ڈیرے کے سامنے دھرنا دے کر بیٹھ گئے- جب فوج نے کرنیل کی اطاعت چھوڑ دی تو دھرما کنور نے اول تو غفور خاں کو اس سازش سے الگ کرنا چاہا اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو غفور خاں کو فوجی کمپ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا- غفور خاں

---

[1] ملہر راؤ کی ایک آشنا ہوریکا بائی اپنے چاہنے والے کے وقت میں بہت معزز ہو گئی تھی- یہ مینا بائی اُسی ہوریکا کی سہیلی تھی اور عجیبا نفیر کی چیلی بھی تھی-

[2] یہ واقعات جسونت راؤ کے مجنون ہونے سے سات آٹھ ماہ کے اندر واقع ہو گئے-

اپنی جاگیر کی طرف جس کا صدر مقام "جاورہ" تھا چلا گیا اور وہاں سے کرنیل کے خلاف کارروائیاں شروع کیں۔

دھرما کنور جاورہ پر قبضہ کرنے کو بڑھا لیکن بڑی ساوڑی تک پہونچا تھا کہ امیر خاں اپنی فوج لیے ہوئے اُسکے سر پر آگیا اور لڑائی شروع ہوئی جس کا سلسلہ پندرہ دن تک جاری رہا جب دھرما بہت عاجز ہوا تو اُس نے مجنون راجہ اور تلشا بائی کے قتل کا ارادہ کیا اور اُنکو جنگل کی طرف بھجوایا تاکہ پوشیدہ طور پر اُنکے سر کاٹ لیے جائیں۔ مگر جسونت راؤ کے ایک نمک حلال خادم نے پگاؤ کے ایک مرہٹہ سردار رتو پٹیل کو اس دردناک خبر سے آگاہ کیا۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر پہونچا اور دھرما سے پوچھا کہ راجہ کو جنگل میں کیوں لایا ہے۔ تلشا بائی چیخیں مار کر رونے لگی اور بولی کہ "ہماری گردنیں مارنے کو لایا ہے"۔ اس عرصہ میں رتو پٹیل کے سوار بھی موقع واردات پر پہونچ گئے۔ تختہ اُلٹ گیا۔ دھرما گرفتار ہوا اور دوسرے دن تلشا بائی کے سامنے بطور قیدی کے پیش کیا گیا۔ تلشا نے حکم دیا کہ "دھرما اور اُسکے ساتھیوں کو ہنگلیس پہونچا دو"۔ چونکہ ہنگلیس کے قلعہ میں مجرم شاہی نظر بند رکھے جاتے تھے اسلیے دھرما کے ہمراہی مجرم کو شک ہوا کہ اُنکو سزائے موت نہیں دی گئی بلکہ حبس دوام کا حکم ہوا ہے۔ دھرما اُس سے زیادہ تجربہ کار اور عقلمند تھا وہ بات کی تہ کو پہونچ گیا اور اپنے ساتھی سے بولا کہ "بھائی تم غلط سمجھے۔ ہم لوگ آسمانی ہنگلیس[1] کو بھیجے جا رہے ہیں"۔

کہتے ہیں کہ جب جلاد نے دھرما کی گردن پر ایک ہاتھ سے وار کرنا چاہا تو وہ جھڑک کر بولا کہ "دونوں ہاتھ لگا! یہ دھرما کنور کا سر ہے، ایک ہاتھ سے نہ کٹے گا!!"

دھرما سے فراغت ہوئی تو امیر خاں نے دولاکھ روپیہ تقسیم کرکے سپاہیوں کی بغاوت کو فرو کیا اور اپنے قدیم ولی نعمت کی ریاست کا انتظام درست کرنے کے لیے دو مہینے تک ہولکر کے دربار میں حاضر رہا۔

اس عرصہ میں ایک جدید شگوفہ نکلا۔ یعنی ایک چالاک برہمن "تانتیا آلکر" نام رانیوں پر بہت حاوی ہوگیا اور اُس نے دیوان کے اختیارات سلب کرنے کی کوشش کی۔ جب امیر خاں راجپوتانہ واپس جانے لگا تو اس اندیشہ سے کہ اُسکی غیر موجودگی میں بلرام سیٹھ پر عتاب نازل ہونا ضروری ہے، کیمپ چھوڑنے کے قبل تلشا بائی کے پاس گیا اور عرض کی کہ اگر کسی وقت

---

[1] ہنگلیس۔ بھوانی کا نام ہے جو موت کی دیوی ہے۔

آپ بلرام سے ناراض ہوں اور اُسکو دفع کرنا چاہیں تو میرے پاس بھیجدیجئے گا، میں بشرط ضرورت اُسکو قتل کردوں گا۔ تلشا بائی نے یہ گزارش منظور کی تو امیرخاں بلرام سے بھی کہتا گیا کہ رانی تمکو میرے پاس بھیجیں تو فوراً چلے آنا۔

امیرخاں کا قیاس بالکل صحیح ثابت ہوا۔ اُسکے جانے کے چندہی روز بعد تلشا بائی نے دیوان کو بُلا کر حکم دیا کہ وہ امیرخاں کے پاس جائے اور اُس سے وعدہ پورا کرنے کی تاکید کرے بلرام نے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن نتیجہ تلشا بائی کی مرضی کے خلاف ہوا۔ امیرخاں نے بلرام کو عزت سے رکھا۔ اپنی چال اُسکو سمجھائی اور تلشا بائی کا وہ خط بھی دکھا دیا جس میں بلرام کے قتل کا حکم تھا۔ بلرام نہایت ممنون ہوا۔ امیرخاں کو روپیہ کی ضرورت تھی۔ اُس نے تقریباً ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ کی ہُنڈیاں امیرخاں کے سرداروں اور افسروں کے نام مختلف تاریخوں میں لکھدیں۔ بعد ازاں امیرخاں ریاست کی طرف چلا کہ تلشا بائی کی اُسکے دیوان سے صفائی کرادے اور بہت مشکل سے اپنے ارادہ میں کامیاب ہوا۔ یعنی بلرام سیٹھ پھر دیوان ہوگیا اور اُس نے ہُنڈیوں کی عوض میں امیرخاں کی فوج کو ڈھائی لاکھ روپیہ نقد اور تقریباً دو لاکھ کا کپڑا عنایت کیا۔

یہ زمانہ ریاست ہولکر میں نہایت تباہی کا تھا۔ صوبہ دار اور عامل ہر طرف لوٹ مار کرتے تھے اور فوج سندھیا اور پوار کے علاقوں پر دھاوے مارا کرتی تھی۔ تلشا بائی نہایت خودغرض تھی اور عورتوں کے تمام عیوب اُس میں جمع تھے۔ وہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت تھی لیکن مزاج میں بہت غصہ تھا اور چال چلن نہایت خراب۔ ظلم اور بے رحمی اُسکی عادت تھی۔ اور اپنی رائے کے خلاف کوئی مشورہ سننا اُسکو گوارا نہ تھا۔ مینا بائی اُسکی رازدار تھی جسنے رشوت سے لاکھوں روپیہ جمع کرلیا تھا اور پھر بھی اُسکا جی دولت سے نہ بھرا تھا۔ بلرام سیٹھ ذات کا بنیا اور نیک طبیعت تھا۔ اُسکی خصلت فرماں برداری کی تھی۔ اور وہ تلشا بائی کے حکم سے انحراف نہیں کرسکتا تھا۔ تاہم ریاست میں وہ بہترین افسر تھا۔ تلشا بائی کے خود کوئی اولاد نہ تھی۔ اُس نے جسونت راؤ کے لڑکے ملہر راؤ کو جو کیسری بائی (ایک کمھاری) کے پیٹ سے تھا، متبنیٰ کرلیا تھا۔ جب جسونت راؤ کا انتقال ہوا تو یہ لڑکا مسند پر بٹھا دیا گیا اور کل رعایا نے اُس کے حقوق تسلیم کیے۔ کوٹہ کا ظالم سنگھ بمبوره آیا اور اس لڑکے کے سامنے نذر پیش کی۔ لیکن دوہی مہینے کے بعد دولت راؤ سندھیا نے تلشا بائی کو ہٹانے کے لیے سازش کی۔ اپنے ایک عزیز

کو راجہ کی ملازمت میں رکھوایا اور اُس کی معرفت کچھ فوج اندور کی طرف روانہ کی۔ مقتول ملہار راؤ کی بیوہ ایما بائی اور جسونت راؤ کی بیوہ لارا بائی کو سازش میں شریک کیا اور تجویز کی کہ ہولکر کے خاندان سے کوئی دوسرا لڑکا مسند پر بٹھایا جائے۔ غفور خاں نے مدد کی۔ راجہ کو اپنی حفاظت میں لیا۔ سندھیا کی فوج کو شکست دی۔ اور بد نصیب ایما بائی اور لارا بائی قتل کی گئیں۔ اس بغاوت سے امن ہوا تو تلشا بائی نے ریاست کا کچھ حصہ رہن رکھ کر سندھیا سے قرض لینا چاہا۔ دوست راؤ چاہتا ہی تھا کہ اُسکو ہولکر کی ریاست میں دست اندازی کا موقع ملے۔ لہذا فوراً قرض دینے کو راضی ہو گیا۔ لیکن غفور خاں نے اس واقعہ کی امیر خاں کو اطلاع دی۔ وہ فوراً ریاست ہولکر میں آیا اور اُس شرمناک عہدنامہ کو منسوخ کرایا۔ اس نے تلشا بائی سے بھی چال چلن درست کرنے کی استدعا کی۔ لیکن تلشا بائی نے کہا کہ فوجی سردار تانتیا جوگ سے اسکی عداوت ہے اور اُسی نے یہ بے بنیاد قصہ مشہور کیا ہے۔ جب امیر خاں کیمپ سے چلا گیا تو سندھیا سے قرض لینے کی کوشش پھر کی گئی۔ بلرام سیٹھ اور مینا بائی کے مشورہ سے تانتیا آلکر گوالیار بھیجا گیا اور وہاں یہ معاہدہ طے ہوا کہ سندھیا چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ ہولکر کو دیا کرے اور اسی قدر آمدنی کی جائداد اپنے قبضہ میں رکھے۔ لیکن فوج نے بغاوت کر دی اور اس عہدنامہ پر عملدرآمد ہونے سے قبل تلشا بائی کو اپنی جان بچانے کے لیے گنگرور کے قلعہ میں پناہ لینا پڑی۔

اُسوقت دربار ہولکر میں دو پارٹیاں تھیں۔ ایک کا لیڈر تانتیا[1] جوگ تھا اور دوسری کی مینا بائی تھی جو ایک ملازم رام[2] دین کو فوج کا سپہ سالار بنانا چاہتی تھی۔

اُدھر تلشا بائی کا چال چلن پہلے سے بھی زیادہ بگڑ گیا۔ اور دیوان گنپت راؤ سے اسکی آشنائی ہر شخص کی زبان پر تھی۔ دیوان گنپت راؤ کی خوبصورت بیوی کسی زمانہ میں جسونت راؤ

---

[1] تانتیا جوگ خاندیش کا ایک برہمن تھا، تو عمری میں مہیسر آیا جہاں اُس کا بھائی ایک ساہوکار کا گماشتہ تھا۔ اہلیا بائی کے مرنے کے بعد ساہوکار کا کام بگڑ گیا۔ لیکن تانتیا فوج میں ملازم ہو گیا وہ بلرام سیٹھ کا خیر خواہ تھا اور دھرما کنور کے قتل کے بعد فوج کا انتظام اُسکے سپرد تھا۔

[2] رام دین ذات کا برہمن ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ وہ ابتدا میں جسونت راؤ کا اردلی تھا اور بعد کو ترقی کر کے مہیسر کا عامل ہو گیا۔ اُس نے مینا بائی کو بہت رشوتیں دلائی تھیں۔ تلشا بائی کی حکومت میں اُسکو صوبہ داری کا خلعت بھی عطا ہوا تھا۔

ہولکر کی منظورِ نظر تھی اور اپنے شوہر کی ترقیوں کا ذریعہ ہوئی تھی مگر اب اُس نے تانتیا جوگ سے محبت پیدا کر لی۔ اور اس وجہ سے دیوان گنپت راؤ کا تعلق تانتیا جوگ کی پارٹی سے ہو گیا۔ تلشا بائی دیوان کے عشق میں غرق تھی تو مینا بائی کا پلہ کمزور ہو گیا۔ تلشا بائی کے حکم سے مینا بائی اور رام دین دونوں قید کر لیے گئے اور اُن سے روپیہ وصول کر کے فوج کی بغاوت فرو کی گئی۔ غفور خاں نے مینا بائی کے آزاد کیے جانے پر اصرار کیا۔ تانتیا جوگ نے مخالفت کی اور اب یہ ترکیب سوچی جانے لگی کہ تلشا بائی کو معزول کر کے مینا بائی کو اختیارِ حکومت دیا جائے۔ رانی کی بدچلنی سے شرمندہ ہو کر بلرام سیٹھ بھی سازش میں شریک ہو گیا۔ گنپت راؤ نے مینا بائی کو ایسا تنگ کیا کہ اُس نے زہر کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ تب یہ چال کی گئی کہ کم عمر راجہ تلشا بائی کے قبضہ سے نکال لیا جائے۔ تانتیا جوگ اور گنپت راؤ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ دیوان گرفتار ہوا مگر تانتیا بھاگ گیا۔ اور چالیس ہمراہیوں کے ساتھ گنگرور کے قلعہ میں پہونچا۔ جہاں اُسوقت تلشا بائی موجود تھی۔ اور اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ فوج نے اگر زبردستی ملہر راؤ کو چھیننا چاہا تو وہ اُس لڑکے کو خنجر سے ہلاک کر دیگی۔ مگر دشمنوں کے سپرد نہ کریگی۔ تانتیا جوگ اور دوسرے مرہٹہ سرداروں نے قلعہ کی خوب نگہبانی کی۔ اور فوج کی رسائی ملہر راؤ تک نہ ہو سکی مگر دیوان گنپت راؤ سپاہیوں کی قید میں تھا۔ اُسپر تشدد کیا گیا اور اُسکی تکلیفیں سُنکر تلشا بائی جو اُسکے عشق میں مبتلا تھی بیتاب ہو گئی۔ اپنا زیور فروخت کر کے اُس نے فوج کی پچھلی تنخواہ ادا کی۔ اور اپنے عاشق کو آزادی دلائی!!

تلشا بائی بلرام سیٹھ سے پہلے ہی بیزار تھی۔ آدھی رات کے وقت اُس نے بلرام کو بُلوایا اور اپنے اردلی کے سپاہیوں کو اُسکا سر کاٹنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے حکم کی اطاعت سے انکار کیا اور کہا کہ وہ سپاہی ہیں جلاد نہیں۔ اس جواب کو سُن کر گنپت راؤ نے تلوار کھینچی اور بلرام پر پہلا وار کیا۔ پھر اُسکے ہمراہیوں نے خاتمہ کر دیا اور لاش کھینچکر ایک تاریک کمرہ میں ڈالدی۔ صبح کو مشہور ہوا کہ سیٹھ کہیں بھاگ گیا۔ مگر اس خبر کو کسی نے اعتبار نہیں کیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ گنپت راؤ اور تانتیا جوگ نے اُسکو ہلاک کر دیا ہے۔

غفور خاں نے دریافتِ حال کے لیے قاصد بھیجا۔ رانی نے بگڑ کر کہا کہ غفور خاں میرا نوکر ہے یا مالک۔ اُس سے کہو کہ اگر بلرام کی اُسے بہت فکر ہے تو یہاں آوے میں اُن دونوں کی ملاقات کرا دونگی۔ غفور خاں اس پیام سے بہت خوفزدہ ہو گیا اور اپنا رسالہ کسی قدر فاصلہ پر ہٹا لے گیا۔ تین دن کے بعد تلشا بائی اپنی فوج لے کر قلعہ سے نکلی۔ غفور خاں کے ہمراہیوں سے کچھ جھگڑا ہوا اور فریقین میں

لڑائی شروع ہوگئی۔ توپوں کے فیر ہونے لگے۔ اور ایک گولہ اتفاق سے ہاتھی کے اُس ہودے کے قریب آیا جس پر ملہر راؤ بیٹھا ہوا تھا۔ تلشا بائی بہت گھبرائی اور راجہ کو گنپت راؤ کے گھوڑے پر بٹھا کر ۱۶ میل پچھم کی طرف بھاگ گئی۔ غفور خاں کے رسالے نے گنگرور پر قبضہ کر لیا۔ وہاں بلرام کی سڑی ہوئی لاش ملی۔ جسکی کریا کی گئی۔ مگر اس غصہ میں گنگرور کے قلعہ کا کُل سامان لوٹ لیا گیا۔ اور اُسی دن سے غفور خاں اور تلشا بائی میں کھلم کھلا مخالفت ہوگئی۔

تانتیا جوگ کا پلّہ بوجہ ملہر راؤ پر قبضہ ہونے کے بھاری تھا اُسنے سندھیا کے عامل ہندسو سے سازش کرکے وہاں سے ایک فوجی دستہ بلایا اور اُسکو ایک مقررہ رقم ماہوار ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ سندھیا نے امیر خاں کو لکھا کہ وہ خاندان ہولکر کو پریشان نہ کرے اور غفور خاں کو وہاں سے ہٹا لے۔ امیر خاں نے اپنے نائب کو ہدایت کی کہ وہ ہولکر کی ریاست میں جنگ نہ کرے اور تلشا بائی کو لکھا کہ اگر وہ اِدھر اُدھر پھرنا چھوڑ دے اور اُسکو حاضری کی اجازت دے تو یہ سب قصہ فرو ہو جائے گا۔ اور غفور خاں اُسکی ریاست سے ہٹا لیا جائے گا۔ کوٹہ کے ظالم سنگھ نے بھی امیر خاں کی تجویز سے اتفاق کیا۔ لیکن تلشا بائی کو خطرہ تھا کہ یہ لوگ اُسکی حکومت سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے جب تک غفور خاں واپس نہ بُلا لیا جائے اور فوج کی بغاوت فرو نہ کر دی جائے وہ امیر خاں کو دربار میں حاضری کی اجازت دینے سے مُنکر رہی۔ آخرکار یہ قصہ پنچایت کے ذریعہ سے ظالم سنگھ کے سپرد کیا گیا۔ تانتیا جوگ اور غفور خاں اپنی اپنی شکایتیں لیکر اُسکے پاس پہونچے اور تین مہینے تک باہم گلے شکوے... ہوتے رہے۔ اسی زمانہ میں خبر ملی کہ انگریزوں کی فوج ایک ڈاکو کے تعاقب میں وسط ہند کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور خطرہ پیدا ہوا کہ یہ لشکر موقع پاکر ریاست پر قبضہ کرلے گا۔ تب ان دونوں سرداروں میں صلح ہوئی اور باہمی اتفاق سے ریاست کی اصلاح کی کوشش کی گئی۔ اسی عرصہ میں پیشوا باجی راؤ (جو انگریزوں کی مدد سے پونا میں مسند نشین ہوا تھا) اپنے مددگاروں سے ناراض ہوگیا اور سندھیا اور ہولکر وغیرہ مرہٹہ سرداروں کی اعانت سے اُس نے دوبارہ آزادی و خودمختاری حاصل کرنا چاہی۔ اُسکے قاصد ہولکر کے دربار میں بھی آئے لیکن یہاں ایسی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی کہ کسی زبردست امداد کا اقرار نہ کیا جا سکتا تھا۔ امیر خاں کے پاس بھی پیشوا کے ایلچی پہونچے اور اُس نے فوج کی آراستگی کے لیے چار لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ روپیہ کے پہونچنے میں دیر ہوئی انگریزوں نے ہر طرف سے اپنی فوج کو حرکت دینا شروع کی اور اُن سے لڑنے کی قوت نہ دیکھ کر امیر خاں نے انگریزوں کے شرائطِ صلح منظور کر لیے۔ باجی راؤ کے قاصد کو واپس کر دیا اور غفور خاں کو لکھا

* حاشیہ تجویز کے لیے ضمیمہ کو دیکھو ملاحظہ ہو۔

کہ وہ تلشا بائی کو پیشوا کی امداد کے لیے فوج روانہ کرنے سے باز رکھے۔ لیکن یہاں پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ تانتیا جوگ اور دیوان گنپت راؤ میں بگاڑ ہو گیا۔ اور تلشا بائی ہر معاملہ میں دیوان کے ساتھ تھی۔ نومبر ۱۸۱۷ء میں تلشا بائی نے باجی راؤ کے وکیل سے ایک لاکھ روپیہ لیکر اپنی اپنی فوج کو دکن کی طرف بڑھانے کا وعدہ کیا اور دوسرے مہینے میں مہدپور کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر اُسی وقت خبر ملی کہ انگریزی فوج کا ایک دستہ مہدپور سے پچاس میل اُدھر آگر تک پہونچ گیا ہے، اور دوسرا دستہ مالوہ میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ انگریزی فوجیں ظاہرا تو ڈاکوؤں کے تعاقب میں آئی تھیں اور مشہور کیا گیا تھا کہ چیتو نام ایک پنڈاری ڈاکو جو ہولکر کی پناہ میں ہے اُسکی گرفتاری منظور ہے، لیکن درحقیقت ان فوجی کارروائیوں کی غرض یہ تھی کہ ہولکر اور سندھیا باجی راؤ کا ساتھ نہ دے سکیں اور پیشوا کی سازش انگریزوں کے خلاف ناکام ثابت ہو۔ تانتیا جوگ نے صلاح دی کہ انگریزوں سے نامہ و پیام شروع کیا جائے مگر فوج نے اُسکو گرفتار کر لیا۔ انگریزوں کے کمانڈر سر جان ملکم نے آگر پہونچکر ملہر راؤ کے نام ایک دوستانہ خط لکھا اور دیوان گنپت راؤ کے نام بھی ایک تحریر بھیجی کہ اگر وہ خطرہ سے بچنا چاہتا ہے تو فوراً انگریزوں سے صلح کر لے۔ لیکن تمام ریاست میں بدامنی تھی۔ گنپت راؤ انگریزوں کی شرائط منظور بھی کرتا تو فوج کب راضی ہوتی۔ لشکر کا کوئی سپہ سالار نہ تھا۔ ہر ایک رسالہ کا کمانڈر اپنے کو جداگانہ حاکم سمجھتا تھا۔ غفور خاں گنپت راؤ اور تلشا بائی کو تباہ کرنا چاہتا تھا اور رام دین بھی اسکی مدد پر تھا۔ پگاہ کے سواروں میں سے ایک حوالدار نے نوعمر ملہر راؤ کو بہکا کر فوجی کیمپ میں پہونچا دیا۔ اور اُسی وقت سے تلشا بائی کے ڈیرے پر نگرانی قائم ہو گئی۔ گنپت راؤ نے بھاگنا چاہا لیکن وہ گرفتار کر لیا گیا۔ تلشا بائی تمام دن فاقے سے رہی۔ لیکن فوج اُسکے مظالم سے عاجز آ چکی تھی، رات کے وقت اُسکو بالجبر پالکی میں بٹھا کر دریا کی طرف لیگئے اور ندی سپرا کے کنارے اُسکا سر کاٹ کر جسم پانی میں پھینکدیا۔ تلشا بائی کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اُسکے حسن و جمال میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ اُسکی گفتگو میں جادو کی سی تاثیر تھی اور اُسکی شیریں گفتاری ہر دشمن کو رام کر لیتی تھی۔ وہ شہسوار بھی تھی۔ اور جب گھوڑے پر چڑھکر نکلتی تو حسین سہیلیوں کا جھرمٹ گھوڑوں پر سوار اُسکے ساتھ

---

۷۱ (حاشیہ صفحہ ۷۲) یہ معاہدہ ۹۔ نومبر ۱۸۱۷ء کو ہوا۔ اس صلحنامے کی رو سے انگریزی گورنمنٹ نے اُس علاقہ کی ضمانت کی جو نواب امیر خاں کے قبضہ میں تھا اور اُس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ ریاست ٹونک کا آغاز اسی تاریخ سے سمجھنا چاہیے۔

ہوتا تھا - وہ اگرچہ جسونت راؤ کی بیوی نہ تھی لیکن رعایا نے اُسکو رانی کے برابر سمجھا - نوعمر راجہ اُسکی سرپرستی میں تھا ، اسلیے ہولکر کا تمام خاندان اُسکی عزت کرتا تھا - لیکن اپنے افعال و حرکات سے اُس نے سب حرمت خاک میں ملا دی - اور ایسی حسرتناک موت اُسکو نصیب ہوئی کہ کسی نے اُس کے غم میں دو آنسو بھی نہ بہائے - سنتے ہیں کہ روہتہ الکبریٰ کے ظالم بادشاہ نیرو کی قبر پر کسی نے پھولوں کا ہار چڑھا دیا تھا ، مگر اس بے رحم رانی کی کریا کسی نے نہ کی -

مرتے ہیں تیر سب پہ تو اس بیکسی کے ساتھ
ماتم میں تیرے کوئی نہ رو یا پکار کر

اس عرصہ میں انگریزوں کا لشکر ہولکر کے کیمپ سے دس میل کے فاصلہ پر مہدپور تک پہونچ چکا تھا - قتل سے فراغت کے بعد رات کو مشورہ ہوا - اور ۲۱- نومبر ۱۸۱۷ء کو مرہٹوں کی فوج انگریزوں سے مقابلہ کے لیے بڑھی - سواروں پر رام دین حاکم تھا اور غفور خاں اپنے خاص ہمراہیوں کے ساتھ فوج کے پیچھے نوعمر راجہ کے پاس تھا - انگریزوں نے مرہٹوں کے توپخانہ پر دھاوا کیا - اور بے سری فوج ہر طرف بھاگنے لگی - سوار جنھوں نے شروع میں بہت بہادری دکھائی تھی سب سے پہلے بھاگے - اُسکے بعد پیدل فوج فرار ہوئی - اور پھر توپ خانہ بھی خاموش ہوگیا - جب سپاہی ہر طرف بھاگنے لگے تو نوعمر ملہر راؤ روپڑا اور منت سے اُنکو واپس بلانے لگا - اُسکے چچا زاد بھائی ہری راؤ ہولکر نے بہت جوانمردی دکھائی ، لیکن مٹھی بھر خاک سے سمندر کیسے پٹ سکتا تھا - ہولکر کا لشکر بھاگ کر سیتا مئو پہونچا اور وہاں ملہر راؤ کی ماں کیسری بائی نے تانتیا جوگ کو وزارت کا خلعت دیا - اور اپنے خاندان کی حفاظت اُسکے سپرد کی - اب انگریزوں سے مقابلہ بیکار تھا - صلح کا پیام بھیجا گیا اور ۶- جنوری ۱۸۱۸ء کو مندسور کے مقام پر اُس قابل یادگار صلحنامہ پر دستخط ہوے جس نے ریاست اندور کو بیرونی حملوں سے محفوظ کر دیا - اس صلحنامہ کے خاص شرائط یہ تھے :-

اول - ایسٹ انڈیا کمپنی کسی دوسری ریاست کو ہولکر کے علاقہ پر حملہ نہ کرنے دیگی اور اس علاقہ کی ویسی ہی حفاظت کریگی جیسی کہ اپنے مقبوضات کی کرتی ہے -

دوئم - انگریزی گورنمنٹ نے نواب امیر خاں سے جو جداگانہ معاہدہ کر لیا ہے ہولکر اُس سے اتفاق کرتا ہے - اور اُن تمام علاقوں سے دست بردار ہوتا ہے اس معاہدہ کے مطابق امیر خاں کو دیے گئے ہیں -

سوئم - پچپھار، ڈوگ، گنگرور، اور اوہ کے پرگنوں سے ہولکر دست بردار ہوتا ہے۔ اور یہ علاقہ راجہ ظالم سنگھ کوٹہ کو دیا جاتا ہے

چہارم - ملہر راؤ ہولکر اُن تمام حقوق سے دست بردار ہوتا ہے جو اُسکو راجہ اودیپور، جے پور، جودھ پور، کوٹہ بوندی اور کرولی وغیرہ پر حاصل تھے۔

پنجم - ملہر راؤ ہولکر اُن تمام علاقوں سے دست بردار ہوتا ہے جو بوندی پہاڑیوں کے اندر یا انکے شمال میں واقع ہیں۔

ششم - ہولکر ست پڑہ پہاڑی کے جنوب کا کل علاقہ بشمول قلعہ سندوا کے انگریزی گورنمنٹ کی نذر کرتا ہے۔ اور خاندیش وغیرہ کے مقبوضات بھی چھوڑتا ہے۔

ہفتم - انگریزی گورنمنٹ ہولکر کی ریاست میں اندرونی و بیرونی امن قائم رکھنے کے لیے ایک فوجی دستہ ریاست کے حدود کے اندر کسی مناسب جگہ پر قائم رکھے گی۔

ہشتم - ہولکر کمپنی کے کسی اتحادی سے دشمنی نہ کرے گا اور نہ کسی دوسری ریاست سے بغیر منظوری رزیڈنٹ کے نامہ و پیام کرے گا۔

نہم - ہولکر اپنی زائد فوج برطرف کر دے گا۔

دہم - مہاراجہ نواب غفور خاں کو اُسکی موجودہ جاگیر پر جو اضلاع ملہارگڈھ، تال منڈاول جاورہ اور بڑود وغیرہ میں واقع ہے بحال کرتا ہے اور انگریزی گورنمنٹ اسکی ضمانت کرتی ہے پیلودہ کا خراج اور سائر بھی اُسکو ملیگا۔ اور یہ اضلاع نسلاً بعد نسلٍ نواب کے پاس رہیں گے بشرطیکہ وہ چھ سو سوار مہیا رکھے۔

یازدہم - ملہر راؤ ہولکر گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر کسی یوروپین یا امریکن کو اپنے ہاں ملازم نہ رکھے گا۔

دوازدہم - انگریزی گورنمنٹ پیشوا یا اُسکے وارثوں کو ریاست میں کوئی دست اندازی کرنے نہ دیگی۔

٭ ٭ ٭

مندسور کا صلح نامہ مرہٹوں کی جنگی تاریخ کا آخری ورق تھا۔ پونا، ناگپور، و گوالیار کی ریاستیں پہلے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی" کی ماتحت ہو چکی تھیں، صرف اندور کا علاقہ جسونت راؤ ہولکر کی ہمت و دلیری کی بدولت انگریزی حکومت سے آزاد تھا۔ یہاں نہ تو انگریزی فوج کی چھاؤنی تھی اور نہ کوئی رزیڈنٹ رہتا تھا۔ مگر اس صلحنامہ نے یہ خودسری بھی ختم کر دی۔ اور مرہٹوں کی کوئی آزاد حکومت باقی نہ رہی۔

صلح نامہ کی آخری دفعہ یہ تھی کہ معاملاتِ ریاست میں پیشوا کو دست اندازی کا حق نہ ہوگا۔ لیکن یہ شرط چند ہی روز کے بعد بیکار ہو گئی۔ کیونکہ ایک ہی سال کے بعد پیشوا گرفتار کرکے کان پور بھیجد یا گیا اور پونا کا علاقہ بھی انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔ صلحنامہ نے اگرچہ فوجی قوت و جنگی قابلیت کا خاتمہ کردیا لیکن اس میں شک نہیں کہ ریاست کو بہ نسبت سابق کے زیادہ امن نصیب ہوا۔ تلشا بائی کی حکومت میں جو اندھیر تھا وہ مٹ گیا۔ غفور خاں جاؤرہ گیا اور پارٹی بازی کا بازار سرد ہوا۔ راجہ کی ماں کیسری بائی نے صلح سے پہلے ہی تانتیا جوگ کو خلعتِ وزارت سے سرفراز کیا تھا وہی حکومت کا افسرِ اعلیٰ بنا۔ اور ریاست کا دار السلطنت جو کبھی مہیسر اور کبھی بھانپورہ سمجھا جاتا تھا مستقل طور پر اندور میں قائم ہوا۔ فوج کی تعداد کم کی گئی۔ اور مالگزاری کی وصولی پر پوری توجہ کی گئی۔ تلشا بائی کی بدانتظامی سے ۱۸۱۸ء میں ریاست کی آمدنی صرف پانچ لاکھ رہ گئی تھی، وہ نو سال میں تیس لاکھ تک پہونچ گئی۔ ۱۸۱۹ء میں دو بلوے ہوئے جن میں سے ایک راجہ کے چچا زاد بھائی ہری راؤ ہولکر نے کیا تھا۔ مگر یہ دونوں بغاوتیں آسانی سے فرو کی گئیں۔ ہری راؤ نے خود ہی اطاعت قبول کرلی اور مہیسر میں نظربند کردیا گیا۔ ۱۸۲۱ء میں پھر بغاوتیں ہوئیں لیکن انگریزی فوج کے دبدبہ سے زور نہ پکڑ سکیں۔ ۱۸۲۶ء میں تانتیا جوگ مرگیا اور ملہر راؤ نے انتظامِ حکومت خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ بہت ہی جلد خزانہ خالی ہوگیا اور فوج نے تنخواہ کا مطالبہ شروع کیا۔ جسکے ادا کرنے کے لیے کیسری بائی کو اپنی جیبِ خاص سے روپیہ دینا پڑا۔ ۱۸۲۹ء و ۱۸۳۰ء میں پرگنہ منداس پر ٹھاکروں نے چڑھائی کی لیکن انگریزی فوج کی مدد سے وہ بھی کچل دیے گئے۔ ۱۸۳۱ء میں ایک فقیر نے فساد برپا کرنا چاہا مگر قتل کردیا گیا۔ ۲۷۔ اکتوبر ۱۸۳۳ء میں ملہر راؤ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

مارتنڈ راؤ

(۱۸۳۳ء - ۱۸۳۴ء)

ملہر راؤ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لہذا اُسکی بیوہ گوتما بائی اور اُسکی ماں کیسری بائی نے باپو ہولکر کے لڑکے مارتنڈ راؤ کو گود لیا اور جنوری ۱۸۳۴ء میں وہ مسند نشین کیا گیا۔ ہری راؤ ابھی تک مہیسر میں قید تھا۔ اور اُسکے حقوقِ وراثت فائق تھے۔ بھیلوں اور میواتیوں نے سازش کرکے اُسکو قید سے چھڑایا۔ مارتنڈ راؤ کے طرفداروں نے انگریزی گورنمنٹ سے مدد مانگی لیکن اُدھر سے صاف جواب ملا اور کہا گیا کہ ملہر راؤ کی بیوہ نے انگریزوں سے دریافت کیے بغیر ایک لڑکے کو گود لیا ہے، اس لیے اُسکی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی پر نہیں ہے۔ ریاست کی فوج نے

بھی ہری راؤ کا ساتھ دیا۔ اور کیسری بائی کو مجبور ہو کر ہری راؤ کی گدی نشینی تسلیم کرنا پڑی۔ ہری راؤ ۱۷۔اپریل ۱۸۳۴ء کو اندور آکر مسند نشین ہوا۔ اور غریب مارتنڈ راؤ پنشن دے کر دکن بھیج دیا گیا۔

ہری راؤ

(۱۸۳۴ء - ۱۸۴۳ء)

ہری راؤ نے مسند نشین ہوتے ہی جسونت راؤ کے قدیم ملازم ریواجی پھانسے کو دیوان بنایا۔ لیکن یہ انتخاب غلط ثابت ہوا کیونکہ ریواجی کو ریاست کے کام کا تجربہ نہ تھا اور وہ شراب کا بہت عادی تھا۔ ریواجی نے دیوان ہوتے ہی اپنے لڑکے راجہ بھاؤ کی شادی مہاراجہ کی ایک لڑکی سے کر دی اور ایک لاکھ سالانہ کی جاگیر اُسکو دلائی۔ چند روز میں مالگزاری گھٹ کر نو لاکھ رہ گئی۔ اور سالانہ خرچ چوبیس لاکھ تک پہونچ گیا۔ رعایا میں بد امنی پیدا ہوئی اور مارتنڈ راؤ کو دوبارہ گدی نشین کرنے کی سازش شروع کی گئی۔ ریاست کی فوج کا کچھ حصہ بھی ان باغیوں کا شریک ہو گیا۔ اور ۸۔ستمبر ۱۸۳۵ء کو مرہٹوں نے راج محل پر چڑھائی کی مگر کیسری بائی نے باغیوں کو مدد نہ دی۔ لہذا وہ جلد منتشر کر دیے گئے۔ یہ سازش ناکام رہی، البتہ ہری راؤ بہت خوفزدہ ہو گیا اور اس نے محل سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ ریواجی سیاہ و سپید کا مختار تھا۔ اور آمدنی روز بروز گھٹتی جاتی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں حالت ایسی نازک ہو گئی کہ انگریزی گورنمنٹ کو مداخلت کرنا پڑی۔ اور راجہ کو تنبیہ کی گئی کہ انتظامات کی اصلاح نہ ہوئی تو اندور کا علاقہ سرکار اپنے ہاتھ میں لے لیگی۔ اس تنبیہ کے بعد کچھ حالت سنبھلی مگر چند ہی روز میں پھر بدنظمی کا بازار گرم ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں راجہ نے خود اپنے ہاتھ میں کام لیا، لیکن اس کی صحت بہت خراب تھی اور تمام انتظامی معاملات راجہ کا داماد کرتا تھا۔ رزیڈنٹ نے اصرار کیا کہ مہاراج اپنی ریاست کا کوئی وارث نامزد کریں۔ اور ۲۔جولائی ۱۸۴۱ء کو گیارہ سال کا ایک لڑکا کھانڈے راؤ نام جو باپو ہولکر زمیندار جوتش کھیڑہ کا بیٹا تھا متبنیٰ کیا گیا۔ مارتنڈ راؤ کے طرفداروں نے دوبارہ سازش شروع کی اور گورنر جنرل کو ۱۸۴۳ء میں اعلان کرنا پڑا کہ سوائے کھانڈے راؤ کے کوئی دوسرا شخص وارث جائز نہ سمجھا جائے گا۔ مہاراجہ کی علالت کا سلسلہ عرصہ سے قائم تھا۔ ۱۶۔اکتوبر ۱۸۴۳ء کو وہ بیہوش ہو گئے۔ اور اس زمانہ میں بدنیت مقربوں نے خزانہ سے بہت سا روپیہ اُڑا لیا، اور بہت سندیں بھی راجہ کی مُہر لگا کر مصنوعی مرتب کر لیں۔ بہر حال آٹھ روز غافل رہ کر ۲۴۔اکتوبر ۱۸۴۳ء کو اس کمزور راجہ کا خاتمہ ہو گیا۔

کھنڈی راؤ

(سنہ ۱۸۴۳ء - سنہ ۱۸۴۴ء)

کھنڈی راؤ حسب وصیت جانشیں ہوا اور ۱۳ - نومبر سنہ ۱۸۴۳ء کو رسم مسند نشینی ادا کی گئی - انتظام حکومت راجہ بھاؤ کے ہاتھ رہا - چند ہی مہینوں کے بعد کھنڈی راؤ مر گیا، اور وراثت کا جھگڑا پیدا ہوا - کیسری بائی نے پھر کوشش کی کہ مارتنڈ راؤ گدی پر بٹھایا جائے مگر انگریزی گورنمنٹ نے مخالفت کی تب خاندان ہولکر میں سے ایک لڑکا ٹوکوجی نام جسکے زائچہ سے بلند اختری ثابت ہوتی تھی ریاست کے لیے منتخب کیا گیا - اور سر رابرٹ ہملٹن ریزیڈنٹ کی کوشش سے اُسکی تہنیت منظور ہوئی - اُس عہد کے نواب گورنر جنرل کی رائے تھی کہ اس ریاست کے لیے انگریزوں کی طرف سے کوئی راجہ تجویز کیا جائے اور اسکو گدی نشینی کی سند دیکر کمپنی کے خزانہ کے لیے نذرانہ[1] وصول کیا جائے - مگر ریزیڈنٹ نے دربار عام میں ٹوکوجی کی تہنیت کا اعلان کر دیا - اور گورنر جنرل کا منشا پورا نہ ہوسکا - اُس وقت کمپنی کی پالیسی ہندوستانی ریاستوں کے خلاف تھی - اور نہایت ممکن تھا کہ ناگپور، ستارہ، لکھنؤ اور لاہور کی طرح اندور کا علاقہ دیسی ریاست کی صورت میں رکھنا بیکار سمجھ کر سلطنت برطانیہ کے ملازموں کے تصرف میں دیدیا جاتا - سر رابرٹ ہملٹن نے اندور کو اس مصیبت سے بچایا اور اُنکا یہ احسان باشندگانِ ریاست کبھی فراموش نہیں کر سکتے - سر رابرٹ کی سنگین مورت آج تک اندور میں قائم ہے اور ریاست کا ہر ایک بہی خواہ عظمت و ستایش کے پھول اُس پر نثار کرتا ہے -

---

ٹوکوجی راؤ دوئم

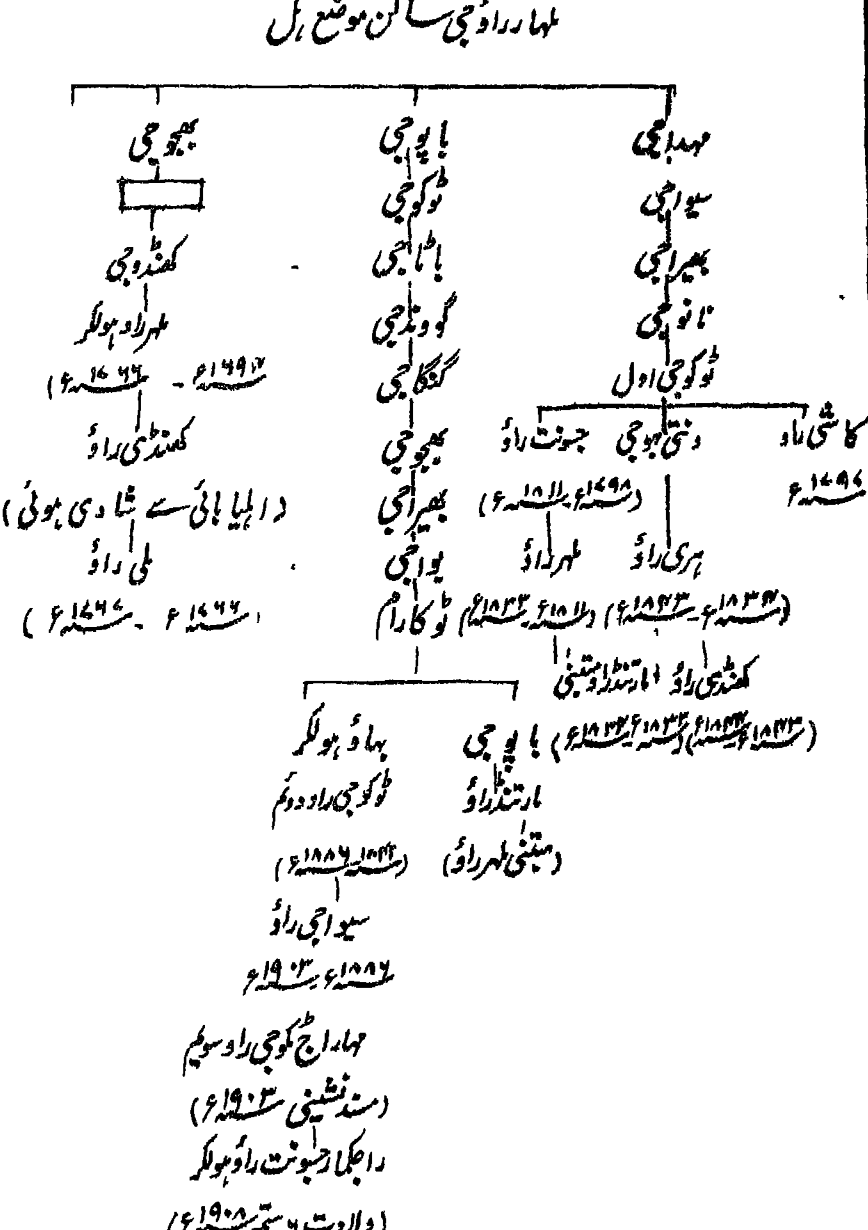
(سنہ ۱۸۴۴ء تا سنہ ۱۸۸۶ء)

ریزیڈنٹ کی کوشش سے ٹوکوجی راؤ دوئم ۲۷ - جون سنہ ۱۸۴۴ء کو مسند نشیں ہوئے -

---

[1] سنٹرل انڈیا گزیٹیر اندور جلد ۲ ص ۳۶

انکا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:-



راجہ بھاؤ جو پہلے منتظم ریاست تھا قائم رکھا گیا لیکن اندرونی معاملات کی نگرانی میں رزیڈنٹ نے

زیادہ دخل دینا شروع کیا - انتظامات میں اصلاحیں کی گئیں اور تمام علاقہ میں امن ہوگیا - مالگذاری وقت سے آنے لگی اور ۱۸۴۵ء تک خزانہ میں پانچ لاکھ کی بچت ہوگئی - ۱۸۴۸ء سے نئے راجہ نے امور سلطنت میں دخل دینا چاہا - لیکن یہ بات راجہ بھاؤ کو ناگوار ہوئی اور وہ اندور سے چلا گیا - رزیڈنٹ نے راجہ کی امداد کی - رام راؤ جو اُس خاندان کا موروثی دیوان تھا منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا - اور کاروبار ریاست میں کوئی فتور واقع نہ ہوا - جون ۱۸۴۹ء میں مارتنڈ راؤ پونا کے مقام پر مر گیا - اور اُسی سال ستمبر میں کیسری بائی بھی چل بسی - اُسکی موت کے بعد راجہ نے ہندوستان کے مشہور مقامات کا واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے سفر کیا -

۱۸۵۲ء میں کامل اختیارات عطا کیے گئے لیکن چار ہی برس کے بعد غدر کا مہیب فتنہ و فساد برپا ہوا - مئی اور جون ۱۸۵۷ء میں نصیر آباد و نیمچ کے سپاہیوں نے بغاوت کر دی - یکم جولائی کو مئو کی چھاؤنی میں بھی غدر ہوگیا - تار کاٹ دیے گئے اور لوٹ مار شروع ہوگئی - ریاست کی فوج ہولکر کے قابو سے باہر تھی لیکن اُنھوں نے اپنے امکان بھر امن قائم رکھنے کی کوشش کی - ویسی عیسائیوں کو محل میں پناہ دی اور باوجود فوج کے اصرار کرتے کے ان بیگناہوں کو باغیوں کے سپرد نہیں کیا - زخمی انگریزوں کی تیمارداری کی - اور سب کو تسلیم کرنا پڑا کہ مئو و قرب و جوار کے اضلاع میں غدر کا ہنگامہ ہولکر ہی کی مدد سے فرو ہوا - کرنیل ڈیورنڈ اُس وقت گورنر جنرل کے ایجنٹ تھے اور ہولکر کی وفاداری پر شبہ کرتے تھے لیکن بعد کو ٹوکوجی کی بیگناہی ثابت ہوئی اور ۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جب سر رابرٹ ہملٹن دوبارہ اندور واپس آئے تو اُنکو یہ دریافت کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ اُسی ہولکر کی مدد سے دوبارہ امن قائم ہوا ہے جسکو اُنھیں کی عنایت سے راج نصیب ہوا تھا -

۱۸۶۱ء و ۱۸۶۸ء کے درمیان انگریزی گورنمنٹ نے مہاراج سے کچھ علاقہ کا تبادلہ کیا اور اُسکی جاگیر جو دکن اور ممالک متحدہ وغیرہ میں تھی اپنے قبضہ میں لیکر ست واس بڑودہ، دھرن گاؤں، کسراود، اور منڈلیشور کے اضلاع ریاست کو عطا کیے - اسکے علاوہ ۱۸۷۸ء میں شہنشاہی دربار کے وقت ست بڑہ کے علاقہ میں ۳۶۰ مربع میل اراضی ریاست کو دیگئی ہولکر کو ایک کرور اُنیس لاکھ روپیہ سالانہ فوجی خرچ کی بابت انگریزی گورنمنٹ کو دینا پڑتا تھا -

اگر وفاداری غدر کے سلسلہ میں بجائے اس سالانہ رقم کے ۲۳ لاکھ روپیہ یکمشت وصول کرلیا گیا۔ اور سالانہ خراج بند کر دیا گیا۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں جی۔سی۔ایس۔آئی کا خطاب ان کو عنایت کیا گیا۔ مہاراج نے سنہ ۱۸۶۹ء میں ایک کروڑ دیکر راجپوتانہ مالوہ ریلوے کی شاخ اندور سے کھنڈوا تک بنوائی جو آج تک ہولکر اسٹیٹ ریلوے کے نام سے مشہور ہے۔ راجہ کو تمام انتظامی معاملات سے دلچسپی تھی اور سنہ ۱۸۶۵ء میں اُنھوں نے اپنی ریاست کی مالگذاری کا بندوبست کرایا جس سے خزانہ کو بہت نفع پہونچا اور بہت سی جاگیریں جنکی میعاد گذر چکی تھی ریاست کو واپس ملیں۔ اسکے بعد ایک کارخانہ توپ اور بندوق بنانے کا اندور کے مقام پر قائم کیا گیا۔ مگر افسوس ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے اُسے بند کرا دیا۔ سر ٹی مادھو راؤ کے۔سی۔ایس۔آئی۔ جنکی قابلیت اور لیاقت ابھی تک ہندوستان میں یادگار ہے ریاست کے دیوان مقرر ہوے اور انھوں نے رعایا کی رفاہ عام و فلاح کے لیے بہت مفید تجویزیں بنائیں سنہ ۱۸۷۷ء میں مہاراج کی سلامی ۲۱ ضرب توپ مقرر ہوئی۔ اور اُنکی دانشمندی اور جفاکشی سلطنت برطانیہ نے بھی تسلیم کی۔ ۱۷۔ جون سنہ ۱۸۸۶ء میں اُنکا انتقال ہوا۔ اور اُنکے بڑے بیٹے سیواجی راؤ جو غدر کے دو سال بعد پیدا ہوے تھے گدی نشین ہوے

سیواجی راؤ

(سنہ ۱۸۸۶ - سنہ ۱۹۰۳ء)

سیواجی راؤ نے ریاست پانے کے بعد ہی اپنے ملک میں چنگی موقوف کردی اور دوسرے سال بغرض سیر و سیاحت یورپ تشریف لیگئے۔ ملکہ وکٹوریہ کی پہلی جوبلی کے جشن میں وہ انگلستان میں موجود تھے اور انکو جی۔سی۔ایس۔آئی کا خطاب دیا گیا۔ اُردو، ہندی، مرہٹی اور انگریزی زبانوں میں کافی دستگاہ تھی۔ اور مشہور تھا کہ ایک بار صورت دیکھنے کے بعد وہ کسی شخص کا چہرہ فراموش نہیں کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں جوگیوں کی قوم ریاست میں بہت اُدھم مچائے ہوے تھی مہاراج نے حکمت عملی سے ان بدمعاشوں کو زراعت کے کام

میں لگایا اور اُنکی بُری عادتیں چھڑا دیں۔ تعلیم سے اُنکو خاص دلچسپی تھی اور اندور کا ہولکر کالج اُنکی علمی فیاضی کی یادگار ہے۔ اسکے علاوہ اندور کا ہسپتال اُس توجہ کا ثبوت ہے جو اُنکو رعایا کے حال پر تھی۔ ۱۹۰۳ء کے دربار دہلی میں وہ تشریف لیگئے تھے۔ وہاں سے واپسی کے بعد ریاست کے انتظام سے دستکش ہوگئے اور خزانہ سے صرف ۴ لاکھ روپیہ سالانہ اپنے خرچ کے واسطے مقرر کرالیا۔ اُنکو پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اور اُنکی سخاوت و فیاضی ابھی تک اندور والوں کو یاد ہے۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو اُنکا انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ آخری زمانہ میں انکا دماغ بہت کمزور ہوگیا تھا اور اسی وجہ سے رزیڈنٹ نے بمشورہ لارڈ کرزن ویسرائے ہند اُنکو ریاست سے دستکش ہونے پر مجبور کیا تھا۔

مہاراج ٹوکوجی راؤ سوم

مہاراج ۲۶۔ نومبر ۱۸۹۰ء کو پیدا ہوئے صرف ۱۳ سال کے تھے کہ ۳۱۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو اُنکے والد ماجد سیواجی راؤ حکومت سے دست کش ہوگئے اور اپنی زندگی میں صاحبزادہ کو سلطنت عطا فرمائی۔ صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر مسٹر بلی نے مہاراج کو گدی پر بٹھایا۔ ۲۱ ضرب توپ سلامی سر ہوئی۔ اور مہاراج سیواجی راؤ نے ایک مؤثر تقریر کی جس میں لنبداقبال صاحبزادہ کو سلطنت برطانیہ سے وفاداری کی ہدایت تھی اور انتظام ریاست کی بابت صاحب ایجنٹ بہادر اور نیز دیگر ارکین سلطنت کو قیمتی مشورے تھے۔

مہاراج کی نابالغی کی وجہ سے ریاست کا اہتمام کونسل آف ریجینسی کے سپرد کردیا گیا اور کپتان فورسس نو عمر راجہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ آپ نے پہلے ڈیلی کالج اندور میں تعلیم پائی۔ بعد ازاں جولائی ۱۹۰۲ء میں میؤ کالج اجمیر میں داخل ہوئے۔ وہاں تمام مردانہ کھیلوں میں آپ کو دلچسپی تھی اور ۱۹۰۸ء میں سند فضیلت حاصل ہوئی۔ اُسی سال ۶۔ ستمبر ۱۹۰۸ء کو آپ کے بڑے صاحبزادہ بالا صاحب جسونت راؤ پیدا ہوئے جو اسوقت ولیعہد ریاست ہیں۔

اجمیر سے درجہ فضیلت حاصل کرنے کے بعد مہاراج نے اپنی ریاست کے ایک سشن جج سے

قانون پڑھا - موسول پور اور بیکانیر کا سفر کیا اور فوجی تعلیم حاصل کرنے کے لیے فروری سنہ ۱۹۰۹ء میں امپیریل کیڈٹ کور میں شامل ہوئے - آپ کی صحت خراب ہوگئی اس وجہ سے مارچ کے مہینے میں اندور واپس آئے - گرمیوں کا موسم پہاڑ پر صرف کیا - اور اسکے بعد واقفیت حاصل کرنے کے لیے کونسل کے اجلاسوں میں کبھی کبھی شرکت فرمانے لگے سنہ ۱۹۱۰ء میں بغرض تبدیل آب و ہوا یورپ تشریف لے گئے - فرانس اور اٹلی وغیرہ یورپ کے دیگر ممالک کی بھی سیر کی - بادشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی کے جشن میں انگلستان میں تشریف رکھتے تھے - اور وہاں آپ کی عزت و خاندانی حرمت کا بہت لحاظ کیا گیا -

اٹھارہ مہینے یورپ میں قیام کرنے کے بعد اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء میں آپ ہندوستان تشریف لائے اسوقت شہر اندور میں طاعون پھیلا ہوا تھا - لیکن رعایا نے نہایت خلوص سے آپ کا خیر مقدم کیا - اور آپ کے استقبال میں بہت جوش ظاہر کیا گیا -

رعایا کونسل آف ریجنسی کے انتظام سے خوش نہ تھی - اور اپنے راجہ کو صاحب اختیار دیکھنا چاہتی تھی - مہاراجہ شیواجی راؤ کے ریاست سے علیحدہ ہونے کے وقت خزانے میں ۰۰۰،۴۷۶،۳۰۶،۸۰ روپیہ چھوڑا تھا اور پانچ کروڑ پچاسی ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی، لیکن کونسل نے علاوہ آمدنی کے خرچ کر ڈالنے کے پچھلی توفیر کا بھی روپیہ صرف کیا اور ۳۰ جون سنہ ۱۹۱۱ء کو صرف ۹۱۳۱۶ و ۹۳۳۳۲ روپیہ خزانہ میں باقی تھا - آخرکار رعایا کی سوتی ہوئی تقدیر جاگی اور ۹ - نومبر سنہ ۱۹۱۱ء سے مہاراج کامل اختیارات صرف کرنے لگے - حضور نے ریاست کی رفاہ و فلاح کے لیے بہت سے مفید قواعد جاری کیے - اور سب سے زیادہ قابل یادگار یہ فرمان تھا کہ اپنے عہد کے ابتدائی مدرسوں کی فیس معاف فرمائی اور جبریہ تعلیم کا قانون جاری کیا - آپ کے عہد میں میونسپلٹی کے اختیارات میں توسیع ہوئی - رعایا کو ممبر انتخاب کرنے کا حق حاصل ہوا - اور عورتوں کو بھی جج بننے قبول دینے کی اجازت دی گئی -

آپ نے تعلیم سے خاص دلچسپی لی - ہلکر کالج میں اسوقت بی - اے اور بی - ایس - سی تک کی تعلیم ہوتی ہے - اور دو قصبوں میں ایک ایک انٹرمیڈیٹ کالج موجود ہے -

تقریباً پچاس لاکھ روپیہ صرف کرکے آپ نے واٹر ورکس (محکمۂ آب رسانی) جاری کیا اور

اپنے دارالسلطنت کو بجلی کی روشنی دیکر نئی دلہن بنا دیا۔ حضور تین بار یورپ کا سفر کر چکے ہیں اور
اور اب عنقریب پھر اُدھر کا ارادہ ہے۔ اسوقت ریاست کا رقبہ ۹۵۱۹ مربع میل ہے۔ کل علاقہ
۵ ضلعوں میں اور ۳۷ پرگنوں میں تقسیم ہے۔ اضلاع حسب ذیل ہیں۔

اندور۔ مہدپور۔ نیماڑ۔ نیماوار اور رامپورہ بھانپورہ۔ ان پانچ ضلعوں میں ایک ایک صوبہ دار
رہتا ہے ہر ایک پرگنہ ایک امین کے سپرد ہے جو صوبہ دار کی ماتحتی میں کام کرتا ہے۔ البتہ عالم پور کا پرگنہ
جو بندیلکھنڈ میں واقع ہے اور ریاست سے فاصلہ پر ہے براہ راست سکرٹری کی ماتحتی میں رکھا
جاتا ہے۔ ہر ایک پرگنہ میں امین کے علاوہ ایک مجسٹریٹ، ایک منصف، ایک سب انسپکٹر پولیس،
ایک افسر تعمیرات، ایک پوسٹ ماسٹر اور ایک اسکول ماسٹر بھی رہتا ہے۔ ریاست کل زمین
کی مالک ہے، لیکن رعایا سے جو روپیہ وصول ہوتا ہے وہ لگان نہیں کہا جاتا بلکہ مالگذاری کے
نام سے یاد ہوتا ہے۔ افیون کی پیداوار بہت ہے اور اُسکے محصول سے تخمیناً ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ
وصول ہوتا ہے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں دس لاکھ روپیہ لگا کر مہاراج تکوجی راؤ نے ایک روئی کا مل
ریاست میں قائم کیا تھا۔ پچھلے بیس سال کے اندر بہت سے کارخانے اِس قسم کے قائم ہو گئے ہیں
اور ہر روز بڑھتے جاتے ہیں۔ تجارتی رونق کے اعتبار سے دارالسلطنت اندور ہندوستان کے
سب سے بڑے شہروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۸۷۸ء سے پہلے ڈاک کا انتظام
نہایت ناقص تھا۔ ریاست کی ڈاک ایک ٹھیکہ دار کے ذریعہ سے تقسیم ہوا کرتی تھی اور اُسکو ۳۶
سو روپیہ سالانہ دیا جاتا تھا مگر اب ڈاکخانہ کا انتظام بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہے اور انگریزی ڈاکخانوں
سے کسی طرح بُرا نہیں ہے۔ عدالتی کام پہلے قابل اطمینان نہ تھا، مگر اب یہاں بھی ہائیکورٹ مثل
انگریزی علاقہ کے قائم ہے اور ریاست کے جج اور منصف عام طور پر قانون داں اور ایماندار ہوتے
ہیں۔ ریاست کے کل مقدمات میں مہاراجہ کو اپیل ہو سکتی ہے اور سزائے موت اور حبس دوام کے احکام کیلیے
اُنکی منظوری لازمی ہے۔ ریاست کے انصاف میں وہ ترقی ہو چکی ہے جو ابھی تک انگریزی رعایائے ہند کو
بھی نصیب نہیں ہوئی۔ یعنی عاملانہ اور عدالتی اختیارات جدا کر دیئے گئے ہیں۔ منصفوں کو اختیارات
مجسٹریٹی بھی ہوتے ہیں اور کلکٹر ضلع اُنکے کام میں کچھ دست اندازی نہیں کر سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے انگریزی
سکہ یہاں رائج ہو گیا ہے۔ اگرچہ پُرانے وقت کے پیسے اب بھی کبھی کبھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔

ریاست کا بندوبست مالگذاری ٹوکوجی دوئم نے ۱۸۶۵ء میں کرایا تھا اور ۱۸۸۱ء میں اس کی ترمیم ہوئی تھی لیکن ۱۹۰۳ء میں ریاست نے ایک انگریزی افسر کی خدمات لیکر مالگذاری کی نہایت منصفانہ تشخیص کرائی۔ قدیم اجارہ داری موقوف اور زمین کو ڈومٹ و مٹیار وغیرہ قسموں میں تقسیم کرکے مالگذاری کی مناسب شرح مقرر کی گئی۔ فوج کی طرف بھی مہاراج کو توجہ ہے۔ صلحنامہ مندسور کے بعد صرف ۳۷۶۵ سوار اور ایک ہزار دو سو پیدل اور توپچی باقی رہ گئے تھے۔ اور ہری راؤ کے زمانہ میں یہ تعداد اور بھی کم ہوگئی تھی۔ لیکن ٹوکوجی راؤ دوئم نے فوجی قوت کو سنبھالا اب بجائے تعداد بڑھانے کے سپاہیوں کو اعلیٰ اسلحہ سے مسلح کرنے کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ فوج کی تعداد دو ہزار سے کم رہ گئی ہے لیکن ہر ایک سپاہی کافی طور پر مسلح ہے اور مہاراج پر قربان ہونے کو تیار ہے۔ ریاست کی کل آبادی ۱۹۲۱ء میں ۱۰۰۷۸۵۶ تھی، جس میں سے ۹۸۰۲۵۴ ہندو، ۷۰۰۲۸۶ مسلمان ہیں اور بقیہ تعداد میں بھیل، سکھ، عیسائی، جین وغیرہم شامل ہیں۔ ریاست کی زبان دیوناگری ہندی ہے لیکن اعلیٰ افسر انگریزی اور مرہٹی میں بھی رپورٹیں لکھتے ہیں۔ خزانے کا حساب مرہٹی میں رکھا جاتا ہے۔ ریاست کی تقریباً ۴ فی صدی آبادی تعلیم یافتہ ہے۔ اور مہاراج کو شب و روز اس تعداد کے اضافہ کرنے کی فکر رہتی ہے۔ سیکڑوں طلبا کو وظیفے دیے جاتے ہیں اور ڈھانگڑوں اور مسلمانوں کی تعلیم کی طرف خاص توجہ ہے۔

ریاست کا انتظام ایک کونسل کے سپرد ہے جس کا پریسیڈنٹ دیوان ہے۔ لیکن مہاراج خود جزو و کل پر نظر رکھتے ہیں اور یہ مجال نہیں ہے کہ کوئی افسر کسی بدعنوانی کا مرتکب ہو سکے۔

مہاراج کے ذاتی اوصاف اور انکے اخلاق و عادات اس مختصر کتاب میں کیا بیان کیے جائیں۔ اندور کا ہر ایک باشندہ آپ کی سخاوت اور فیاضی کی تعریف کرتا ہے۔ آپ کی خوش خلقی دور دور مشہور ہے۔ یہ نیاز مند مورخ اگرچہ آج تک حضور کے دیدار سے مشرف نہیں ہوا لیکن ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے آپ کی خوش خلقی، انکسار، اور مروت کی اس قدر تعریف سنی ہے کہ وہ کل اوصاف اگر یہاں بیان کیے جائیں تو لوگوں کو خوشامد کا شبہہ ہوگا۔

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

مہاراج کے دربار میں مغلوں کی قدیم عظمت اور اکبر و جہانگیر کی شان و شوکت نظر آتی ہے۔ ارکین

اور ملازمین کو بے دریغ انعام تقسیم ہوتا ہے اور خطابات بھی دیے جاتے ہیں۔

مہاراج ہر مذہب کے دیندار آدمی کی عزت کرتے ہیں۔ محرم بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ خود بدولت تعزیہ کے ساتھ کربلا جاتے ہیں۔ دسہرہ کا جلوس دیکھنے کے لائق ہے۔ رعایا کا جمگھٹ سڑکوں کو گھیرے دعا میں مصروف ہوتا ہے اور حضور دونوں ہاتھوں سے سلام کا جواب دیتے ہوئے گذرتے ہیں۔ یہ تماشا جس نے ایک بار دیکھا ہے آسانی سے بھول نہیں سکتا۔ اسوقت مہاراج کے ایک صاحبزادے (بالا صاحب ولیعہد ریاست) اور ایک راجکماری پہلے محل سے، اور ایک صاحبزادی دوسرے محل سے موجود ہیں۔ بالا صاحب کی شادی ہو چکی ہے اور اُنکی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے جاری ہے۔

ساری عملداری میں امن چین ہے۔ ظلم و ستم کا نام بھی سننے میں نہیں آتا اور ریاست کا بچہ بچہ اپنے راجہ کو وشنو کا اوتار سمجھتا ہے۔

مہاراج کو موسیقی سے بہت دلچسپی ہے۔ ہولی کے تہوار پر ایک قابل دید جشن برپا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے بہترین گانے والے اس موقع پر دربار میں حاضر ہوتے اور انعام اکرام سے سرفراز ہوتے ہیں۔ جنوری سنہ ۱۹۲۵ء میں بمبئی کے کسی سوداگر کو اُسکے رقیبوں نے سازش کر کے قتل کرا دیا۔ بعض نا فہموں کو شک ہوا کہ یہ قتل مہاراج کے ایما سے ہوا ہے کیونکہ وہ بدچلن عورت جسکی بدولت سوداگر کو مرگ ناگہانی نصیب ہوئی اتفاقاتِ زمانہ سے کچھ عرصہ تک اندور میں بھی مقیم رہی تھی بلکہ شاید مہاراج نے بھی اُسکی خوش گلوئی کی داد دی تھی۔ چاند پر خاک ڈالیے تو اپنے ہی منہ پر آتی ہے دشمن نٹ ذلیل و شرمندہ ہوئے اور حضور پُرنور کے خلاف کوئی قابل اعتبار شہادت فراہم نہ ہو سکی۔ حضور کو نذیر اور دیگر انگریز حکام کی بیجا خوشامد سے نفرت ہے اسلیے اخبار نویسوں کا خیال تھا کہ اُنکے شور و غل سے فائدہ اُٹھا کر سلطنت برطانیہ مہاراج کو ریاست کا کاروبار ترک کرنے کی صلاح دیگی لیکن سانچ کو آنچ نہیں۔ اسوقت تک مہاراج کو دشمنوں کی نظر بد سے کوئی گزند نہیں پہونچا۔ خدا حضور پُرنور کے فیض قدم سے اندور کی مسندِ ریاست کو ہمیشہ معزز رکھے۔

مے رہے مینا رہے گردش میں پیمانہ رہے
میرے ساقی تو رہے آباد میخانہ رہے

۴ - اگست ۱۹۲۵ء

مرزا رجب علی بیگ سرور مرحوم
- فسانۂ عجائب
- انشائے سرور

امیر مینائی مرحوم
- امیر اللغات
- صنم خانۂ عشق
- مراۃ الغیب
- محامد خاتم النبیین
- (…)
- مکاتیب امیر مینائی

جلال مرحوم
- (…) زبان اردو
- (…) دلکش
- (…)
- (…)
- (…) تاریخ
- (…) المنتخب

محمد عباس ہوش مرحوم
- (…) جان
- (…) سیلی
- (…)
- (…)ون

(…) افضل حسین ثابت
- (…)
- (…)

پنڈت رتن ناتھ سرشار
- فسانۂ آزاد ۴ جلد
- سیر کہسار
- خدائی فوجدار
- جام سرشار
- الف لیلیٰ بطرز ناول
- کامنی
- بچھڑی دلہن
- کڑم دھم

منشی سجاد حسین مرحوم
- احمق الذین
- حاجی بغلول
- پیاری دنیا
- کایا پلٹ
- میٹھی چھری
- طرحدار لونڈی

منشی جوالا پرشاد برق
- مرنالنی
- مار آستین
- بنگالی دلہن
- (…) فرنگ
- پرتاب
- (…)

پریم چند
- پریم بتیسی
- بازار حسن

مولینا عبد الحلیم شرر
- جنید بغدادی
- خواجہ معین الدین چشتی
- تذکرہ مشاہیر عالم
- مخدرات
- قیس و لبنیٰ
- مقدس نازنین
- ایام عرب
- فتح اندلس
- ماہ ملک
- حسن کا ڈاکو
- دربار حرام پور
- الفانسو
- مفتوح فاتح
- فلپانا
- زوال بغداد
- نعمت جنین
- عزیزہ مصر
- جویائے حق
- بابک خرمی
- طاہرہ
- شوقین ملکہ
- یوسف و نجمہ
- گذشتہ لکھنؤ
- شاعرانہ و عاشقانہ مضامین
- آغاز ہشتم سال
- سیر جبال
- تاریخی جغرافی مضامین
- بینا بازار (حصہ ناول)

حکیم محمد علی خاں مرحوم
- رام پیاری کی دل
- عبرت کا دل
- حسن سربہ کا دل
- اختر حسینہ
- دیول دیوی
- جعفر و عباسہ

شوق قدوائی مرحوم
- ترانۂ شوق
- قاسم و زہرہ
- عالم خیال
- گنجینہ
- (…)

خواجہ عبد الرؤف عشرت
- زباندانی
- اصلاح زبان اردو
- قواعد میر
- اصول اردو
- جان اردو
- شاعری کی پہلی کتاب
- " دوسری
- " تیسری
- لغات اردو

منشی محمد احسن وحشی
- تصویر گذشت
- جام زہر

مولینا حکیم عبد الحئی مرحوم
- یاد ایام
- تذکرہ گل رعنا

حکیم احمد حسین الہ آبادی
- تاریخ ابن خلدون جلد اول
- " جلد دوم
- " جلد سوم
- " جلد چہارم
- " جلد پنجم
- " جلد ششم
- " جلد ہفتم
- " جلد ہشتم
- " جلد نہم
- " جلد دہم
- " جلد یازدہم
- نور الدین محمود

مولوی محمد حلیم انصاری
- تاریخ عرب
- تمدن اسلام
- فتح اندلس
- ابو مسلم خراسانی
- اریانوسہ

مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی
- سیرۃ الصدیق
- علمائے سلف
- تذکرۃ الشعراء (…)

حافظ اسلم جیراجپوری
- سیرۃ الرسول
- خلافت راشدہ
- خلافت بنو امیہ
- خلافت بنو عباس
- عباسیہ بغداد
- علوم عرب

قاضی محمد سلیمان منصور پوری
- رحمۃ للعالمین
- سفرنامہ حجاز

مولوی خلیل الرحمن
- ترجمہ (…) الطیب
- تاریخ الاندلس ۲ جلد
- تاریخ مولدین
- مختصر تاریخ اسلامی

مولوی محمد انشاء اللہ
- سیرۃ الرسول
- تاریخ آل عثمان
- حالات عراق و عربستان
- حالات قسطنطنیہ
- تاریخ مراکش و مغرب اقصیٰ

منشی سعید احمد مارہروی
- آثار اکبری
- حیات خسرو
- امرائے ہنود

ملنے کا پتہ: الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

مولوی عزیز مرزا مرحوم
- خیالات عزیز
- ذکر مم اردی

خواجہ عباد اللہ اختر
- الصدیق اکبر
- حضرت جنید
- مشاہیر اسلام
- بغداد
- دمشق
- دیوان حافظ مع شرح

منشی ابو الحق ایم اے
- تاریخ اندلس
- تذکرۃ الحبیب
- حقائق اسلام

سید علی احمد بی اے
- بندگی
- کاس الکرام
- انسان الغیب جلد اول
- " جلد دوم
- " جلد سوم
- " جلد چہارم

سید اس مسعود بی اے
- انتخاب زرین
- نصاب اردو
- جاپان کا تعلیمی نظم

مولانا حسرت موہانی
- شرح دیوان غالب
- کمل دیوان حسرت

سید سجاد حیدر بی اے
- خیالستان
- ثالث بالخیر
- زہرا

سید ظفر عمر بی اے
- چوروں کا کلب
- نیلی چھتری
- بہرام کی گرفتاری
- مستقبل اسلام

پروفیسر فیروز الدین مراد
- تحفۂ سائنس
- بادل کے بچے
- خونناۂ عشق

حکیم احمد شجاع بی اے
- باپ کا گناہ
- حسن کی قیمت
- مینا

منشی عبد المجید سالک بی اے
- راہ و رسم منزلہا
- چمپا و دیگر افسانے
- چترا و دیگر

منشی احمد علی بی اے
- تاریخ تمدن
- شباب لکھنو

مولوی عبد الماجد بی اے
- فلسفہ جذبات
- مکالمات برکلے
- پیام امن
- تصوف اسلام
- معدن شان

منشی محمد لطیف بی اے
- اکبر
- اورنگ زیب
- رنجیت سنگھ
- لارڈ کلایو

پروفیسر نواب علی ایم اے
- معارج الدین
- تذکرۃ المصطفیٰ
- صحف سماوی
- شمع سخن

پروفیسر الیاس برنی بی اے
- اسرار حق
- جذبات فطرت
- معارف ملت
- مناظر قدرت
- علم المعیشت

مولوی سید سلیمان ندوی
- ارض القرآن
- حیات امام مالک
- خلافت عثمانیہ اور اسلام
- خلافت اور ہندوستان
- خلافت اور دنیائے اسلام

مولوی عبد السلام ندوی
- اسوۂ صحابہ ۲ جلد
- سیرۃ عمر بن عبد العزیز
- انقلاب الامم

مولوی عبد الباری ندوی
- مبادی علم انسانی
- برکلے کا فلسفہ

مولوی سعید انصاری
- سیر الصحابہ
- سیر الانصار
- سیر الصحابیات

مولوی عبد الرزاق ندوی
- اسوۂ حسنہ
- میلاد نامہ جدید
- ترکی اور یورپ

مولوی محمد یونس فرنگی محلی
- روح الاجتماع
- ابن رشد

خواجہ حسن نظامی
- قرآن آسان قاعدہ
- میلاد نامہ
- محرم نامہ
- فاطمی دعوت اسلام
- ذکر غوث پاک
- کرشن جیون
- سیپارۂ دل
- ماکم ٹوٹ
- چٹکیاں اور گدگدیاں
- انتالیس خطوط نویسی
- خطوط حسن نظامی
- بیوی کی تعلیم
- بیوی کی تربیت
- اولاد کی شادی
- جگ بیتی کہانیاں
- آپ بیتی
- بچوں کی کہانیاں
- سیر دہلی
- سفرنامہ ممالک اسلامیہ
- غدر دہلی کے افسانے
- یزید نامہ
- طمانچہ بر رخسار یزید
- اردو کی دعائیں
- تسکین احساس
- روزنامچہ ہند
- تبرو کے غیبی نوشتے
- اسلام کا انجام
- تسخیر مہر و قہر

مولوی عبد الراشد الخیری
- الزہرا
- صبح زندگی
- شام زندگی
- شب زندگی
- نوحۂ زندگی
- ذرۂ شہوار
- منازل السائرہ
- سراب مغرب
- بنت الوقت
- قطرات اشک
- جوہر قدامت
- عروس کربلا
- یاسمین شام
- تیغ کمال
- ماہ عجم
- آفتاب دمشق
- سمرنا کا چاند

نیاز فتحپوری
- نگارستان جلی
- گہوارۂ تمدن
- نگارستان
- صحابیات
- تاریخ الدولتین

یاس عظیم آبادی
- چراغ سخن
- نشتر یاس

ملنے کا پتہ :- الناظر بک ایجنسی لکھنو